سی حرفیاں

میاں سید محمد چشتی

(تحقیق و تدوین)



حسنین ساحر

سی حرفیاں میاں سید محمد چشتی

(تحقیق و تدوین)

حسنین ساحر

بزمِ تخلیق و تحقیق
اسلام آباد ☆ پاکستان

کتاب: سی حرفیاں میاں سید محمد چشتی (تحقیق وتدوین)

محقق ومدوّن: حسنین ساحر

حروف چینی: قمرزمان نصیف

سرورق: محمد شیراز اعوان

اشاعت: مئی 2017ء

قیمت: -/250

طابع: رضا پرنٹرز، راولپنڈی

ناشر: **محمد ثقلین ضیغم**

بانی وچیئرمین،

بزمِ تخلیق وتحقیق، بھارا کہو، اسلام آباد۔



BAZM-E-TAKHLEEQ-O-TEHQEEQ

AK Designers, 1st Floor, Ramzan Plaza,

Athal Chowk, Bhara Kahu, Islamabad.

Mob: 0333-5499585, 0313-5341415

Email: bttbibd@gmail.com

والد محترم

ملک شبیر حسین

اور

بزرگوارم

رضا محمد نیازی

کے نام

ترتیب

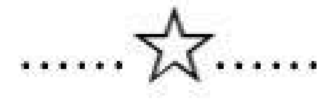
نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
☆	عرضِ ناشر	07
☆	اعترافیہ	09
	مقدمہ	
[ا]	میاں سید محمد چشتی کا حیات نامہ	12
1۔	خاندانی پس منظر	13
2۔	نام اور ولادت	14
2.1۔	جائے ولادت کا جغرافیائی تعارف	15
3۔	تعلیم اور معاش	16
4۔	عائلی زندگی	18
4.1۔	میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی......ایک تسلسل	18
5۔	فکری وطبعی میلانات	21
5.1۔	حضرت پیر سیّد غلام حیدر علی شاہؒ سے وابستگی	22
6۔	شعری ذوق	23
6.1۔	اشتیاقِ حیدری (مطبوعہ)	24
7۔	شخصیت	25
8۔	خوارق وکرامات	26
9۔	وفات	29

[۲] تدوین متن 33
[۳] میاں سید محمد چشتی کی شاعری 41
الف: موضوعی و فکری جائزہ 41
☆ سی حرفی کا مفہوم اور آغاز 41
1۔ عشق حقیقی (حمد و ثنا) 45
2۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم 48
3۔ مرشد کی مدح 51
4۔ مخفیاتِ تصوف اور عشق 52
5۔ وحدت الوجود 55
6۔ ذکر و تسبیحات 55
7۔ دنیا کی بے ثباتی اور فکرِ آخرت 57
8۔ ہجر و فراق 59
ب: فنی جائزہ 60
1۔ زبان اور اسلوب 60
2۔ ہیئت اور بحر 62
3۔ تشبیہات 63
4۔ تلمیحات 63
5۔ سراپا نگاری 64
6۔ تمثیلی رنگ 64
[۴] سی حرفیاں میاں سید محمد چشتی: ایک نظر میں (محاکمہ) 69

کلام میاں سید محمد چشتی

☆ سی حرفی اوّل (در مدح حضرت پیر غلام حیدر علی شاہؒ) 72

☆ سی حرفی دوم 83
☆ سی حرفی سوم 94
☆ سی حرفی چہارم 105
☆ متفرق ابیات 117
فرہنگ 128
کتابیات 142



عرضِ ناشر

''بزمِ تخلیق وتحقیق'' ایک علمی وادبی، غیر کاروباری (Non-Buisness) اور غیر منافع بخش (Non-Profit) تنظیم ہے۔ بزمِ تخلیق وتحقیق کو بھاراکہو کی پہلی ادبی تنظیم ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ اس کا دائرہ کار صرف علمی وادبی سرگرمیوں تک ہی محدود ہے۔ اس بزم کے زیرِ اہتمام نہ صرف علمی وادبی مجالس کا اہتمام کیا جاتا ہے بلکہ عوام الناس میں اس شعور کو پروان چڑھانے کے لیے ایسی کتابوں کی اشاعت کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے جو اس ذوق کی آبیاری میں ممد ومعاون ہوں گی۔ اس کے علاوہ نو آموز محققین اور تخلیق کاروں کی رہنمائی کرنا اور انھیں صلاحیتوں کے اظہار کے لیے پلیٹ فارم مہیا کرنا بھی بزمِ تخلیق وتحقیق کی اوّلین ترجیحات ہیں۔

08 مارچ 2013ء کو بزمِ تخلیق وتحقیق کے آغاز کے وقت جب اس کا نام تجویز کیا گیا تو کچھ دوستوں نے ''تحقیق'' پر تحفظات کا اظہار کیا۔ لیکن یہ دوسرا موقع ہے کہ ''تحقیق'' کا لفظ اس بزم کے نام کے طور پر روشن نظر آ رہا ہے۔ قبل ازیں، بزمِ تخلیق وتحقیق کے صدر جناب شاکر اعوان کی کتاب ''وادیٔ چھتر کرلوٹ'' فروری 2016ء میں منصۂ شہود پر آ چکی ہے جو تحقیق کے زمرے میں آتی ہے۔ بحثیت مجموعی، زیرِ نظر کتاب بزمِ تخلیق وتحقیق کی تیسری کاوش ہے۔ میرا شعری مجموعہ ''شبِ سرخاب'' مارچ 2013ء میں شائع ہوا جس کی تقریبِ رونمائی دراصل بزمِ تخلیق وتحقیق کی افتتاحی تقریب بھی تھی۔ علاوہ ازیں، بزمِ تخلیق وتحقیق کے جوائنٹ سیکرٹری ڈاکٹر شکیل کاسیروی کی کتاب ''دیدۂ دل'' عنقریب متوقع ہے۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ انشاء اللہ بہت جلد سہ ماہی ادبی رسالہ ''تقدیسِ ادب'' بھی بزم کے پلیٹ فارم سے شائع کرنے کا اہتمام کیا جارہا ہے۔

حسنین ساحر کی پیشِ نظر کاوش ''سی حرفیاں میاں سید محمد چشتی (تحقیق و تدوین) زبان و ادب کے حوالے سے بہت اہمیت کی حامل ہے۔ تدوین دراصل تحقیق سے آگے کی منزل ہے۔ یہ مشکل اور صلاحیت آزما کام اُنھی کے بس کی بات ہے جو تحقیق کے اصولوں اور طریق کار سے اچھی طرح واقفیت رکھتے ہیں۔ ''حسنین ساحر'' ایک عمیق بیں اور محنتی محقق ہیں۔ اس مشکل اور صبر آزما کام کو اُنھوں نے بخوبی نبھایا ہے۔ اس طرح کے تحقیقی کام جہاد کی سی حیثیت رکھتے ہیں کیوں کہ یہ وہ کام ہیں جن سے براہِ راست محقق یا مدوّن کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ رشید حسن خاں نے شاید اسی لیے کہا تھا:

> ''تحقیق کو قبولِ عام سے دور کی نسبت ہے۔ یہ توقع کرنا کہ تحقیقی تحریروں کو سب لوگ یا اکثر لوگ پسند کریں گے، تحقیق سے ناواقفیت کا اعلان کرنا ہے اور پست معیاری کو دعوت دینا ہے۔ تحقیق عام پسند چیز نہیں ہوسکتی، اُسی طرح جس طرح وہ آسانی کے ساتھ نہیں ہو سکتی''۔

جب تک گمنامی کی دُھول میں دبی ہوئی تخلیقات منظرِ عام پر نہیں آجاتیں، اُس وقت تک زبان و ادب کی تاریخ نامکمل کہلائے گی۔ حسنین ساحر کی اس گراں قدر کاوش کے ذریعے پاکستانی زبانوں کے ادبی منظرنامے پر نہ صرف ''میاں سید محمد چشتی'' جیسے اہم نام کا اضافہ ہوا ہے بلکہ اس کے ذریعے تحقیق کی نئی راہیں بھی کھلیں گی۔

محمد ثقلین ضیغم
بانی و چیئرمین، بزمِ تخلیق و تحقیق
بھارا کہو، اسلام آباد

اعترافیہ

ویسے تو یہ میری تیسری کتاب ہے۔ لیکن شائع سب سے پہلے ہو گئی۔ ارادہ تھا کہ سب سے پہلے اپنی غزلیات پر مشتمل ''فصیلِ جاں'' اور اس کے بعد ایم۔فل کا مقالہ ''سی حرفیاں میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی: تحقیق و تدوین'' شائع کروایا جائے۔ لیکن قدرت کو شاید ''میاں سید محمد چشتیؒ'' کے نام سے میری مطبوعہ کتابوں کا آغاز کرنا مقصود تھا۔ زیرِ نظر کتاب کا مکمل کریڈٹ تین محترم ہستیوں کو جاتا ہے۔ میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی، جنھوں نے میاں سید محمد چشتی کے کلام کو اپنی قلمی بیاض ''ارمغان چشتی'' میں محفوظ کیا۔ جناب محمد ثقلین ضیغم، جن کی بدولت یہ کلام مجھ تک پہنچا۔ اور میاں عبدالرشید، جنھوں نے فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر طرح کا تعاون روا رکھا اور اپنے والد میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی کے تمام قلمی نسخے عنایت فرمائے جن کو بروئے کار لا کر اس کتاب کی تکمیل ممکن ہوئی۔

سب سے پہلے میری توجہ اس کام کی طرف پروفیسر ڈاکٹر عبداللہ جان عابد نے مبذول کروائی جب انھوں نے میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی کی بیاضوں میں میاں سید محمد چشتی کی سی حرفیاں دیکھیں۔ بعد ازاں، پروفیسر ڈاکٹر نبیلہ رحمٰن نے بھی احوال و آثار کے ساتھ ان سی حرفیوں کی تدوین کا مشورہ دیا۔ یوں میری دلچسپی میں مزید اضافہ ہوا اور آج یہ کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے۔

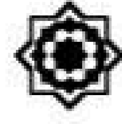
اس کام کو بامِ اشاعت تک پہنچانے کے لیے بزرگوارم رضا محمد نیازی کا کردار ناقابلِ فراموش ہے۔ پروفیسر شوکت محمود شوکت، جناب شاکر اعوان، ڈاکٹر شکیل کاسیروی، جناب قمر زمان، جناب محمد شیراز اعوان اور جناب محمد سخی خان کا شمار

ان لوگوں میں ہوتا ہے جو مجھے ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتے رہنے کی ترغیب دینے میں پیش پیش رہتے ہیں۔ جناب محمد ثقلین ضیغم اور جناب قمر زمان نے میری اس کاوش پر نظر ثانی فرمائی اور اس کام کو مزید نکھارنے کے لیے وقیع تجاویز سے نوازا۔ محمد سبطین ضیغم کا کردار بھی لائقِ تحسین ہے جو میرے کاموں کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔

مذکورہ بالا محترم شخصیات کے علاوہ ان تمام دوستوں اور اساتذہ کا شکر گزار ہوں جن کے دم قدم سے میری دنیا حسین ہے۔ اہلِ خانہ اور بالخصوص والد محترم ملک شبیر حسین کے سامنے شکریہ جیسے الفاظ بہت چھوٹے دکھائی دیتے ہیں۔ جنھوں نے ہمیشہ علم و ادب کو مال و دولت اور دیگر دنیاوی آسائشوں پر ترجیح دی۔ میری تمام علمی و ادبی وابستگیاں انھی کی حوصلہ افزائی کی مرہونِ منت ہیں۔ اللہ ان کا سایۂ شفقت ہم پر قائم و دائم رکھے۔

ہر کام میں کوئی نہ کوئی خامی اور کمی رہ جاتی ہے۔ میری اس کاوش میں بھی اہلِ نقد و نظر کو کئی خامیاں نظر آئیں گی۔ ان کی نشاندہی مستقبل میں میرے لیے چراغِ راہ ہو گی۔

حسنین ساحر
hassnain1234@hotmail.com



مقدمہ



[ا]

میاں سید محمد چشتی کا حیات نامہ

پنجابی، دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں سے ایک ہے۔ پنجاب میں کئی حملہ آور آئے، کئی تہذیبوں نے یہاں جنم لیا اور صفحۂ ہستی سے مِٹ گئیں۔ ان سب کے یہاں کی مقامی زبان اور تہذیب پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ لیکن بات جب پنجابی ادب کی ہو تو ہم صوفیائے کرام کے مرتب کردہ اثرات سے منہ نہیں موڑ سکتے۔ پنجابی ادب کے حقیقی جنم داتا ہی صوفیا ہیں۔ یوں تو پنجاب میں کئی روحانی سلاسل کے بزرگوں نے شعری ادب کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا، لیکن سلسلہ چشتیہ کا اس روایت میں بہت اہم کردار رہا ہے۔ پنجاب میں چشتیہ سلسلے کی بنیاد رکھنے والے بابا فرید رحمتہ اللہ علیہ نے ہی پنجابی شعری ادب کی بنیاد رکھی۔ بابا فریدؒ کی آغاز کی ہوئی اسی روایت میں ''میاں سید محمد چشتی'' کا نام ایک اہم اضافہ ہے۔

میاں سید محمد چشتی ایک درویش، ایک سالکِ راہِ حقیقت، ایک صوفی اور دنیاوی لوبھ لالچ سے بے نیاز، ذاتِ احدیت کے طالبِ صادق تھے۔ ان کی شاعری، ان کی شخصیت کی عکاس ہے۔ ان کی شاعری میں صوفیانہ روشن خیالی، وسیع المشر بی، توکل، گناہوں سے توبہ، فکرِ آخرت اور نیک اعمال کی تلقین جیسے مضامین بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن عشق حقیقی، عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مرشد سے عقیدت ومحبت ان کی شاعری کے اہم ترین موضوعات ہیں۔

کسی بھی تخلیق کار پر ماحول اور اس کے حالاتِ زندگی گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔اس لیے کسی شاعر کی تخلیق کو سمجھنے اور اس کا صحیح معنوں میں تنقیدی جائزہ لینے کے لیے اس کے حالاتِ زندگی کا جائزہ لینا بہت ضروری ہوتا ہے۔

1۔ خاندانی پس منظر:

میاں سید محمد چشتی کے اجداد کشمیر سے ہجرت کر کے جہلم میں آباد ہوئے۔ ان کا تعلق ''منہاس راجپوت'' خاندان سے ہے۔منہاس راجپوت برہما جی کی اولاد رام چندر جی کی نسبت سے سورج بنسی ہونے کے دعویدار ہیں۔ برہما جی کی اکانویں پشت میں راجا جامبولوچن اور راجا جامبولوچن کی اٹھاونویں پشت میں راجا جوگ راج کا جنم ہوا۔راجا جوگ راج کے دو بیٹے ''ملن ہنس'' اور ''سورج ہنس'' ہوئے۔ ''ملن ہنس'' کی اولاد نے خود کو ''ہنس راجپوت'' کہلوایا جو کثرتِ استعمال سے ''منہاس'' بن گیا۔راجا ملن ہنس کو منہاس دیپ، منہاس دیو اور منہاس دے کے ناموں سے بھی جانا جاتا ہے۔اس کا زمانہ 400 بکرمی یا 457 عیسوی بتایا جاتا ہے[1]۔جموں کے منہاس راجپوت، ڈوگرہ منہاس کہلواتے ہیں۔ڈینزل ایسٹن کے مطابق جموں کے کسی بھی باشندے کو ڈوگرہ کہا جاتا ہے[2]۔

ڈوگرہ منہاس یا منہاس راجپوت قبیلہ سے تعلق رکھنے والے رندھیر سنگھ کی اولاد میں ''میاں پیڑا'' ہو گزرے ہیں جو سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ میاں پیڑا کی چھٹی پشت میں میاں سید محمد چشتی پیدا ہوئے۔میاں سید محمد چشتی کا سلسلہ نسب میاں پیڑا تک یوں ہے:

> ''میاں سید محمد چشتی ولد میاں محمد ہاشم ولد حافظ صالح محمد ولد میاں محمدو ولد میاں نور محمد ولد میاں عبدالرحمٰن ولد میاں نانک ولد میاں پیڑا''۔[3]

میاں سید محمد چشتی کے اجداد کب اور کیوں کشمیر سے ہجرت کر کے جہلم میں آباد ہوئے؟ اس حوالے سے تاریخی شواہد نہیں ملتے۔ البتہ اتنا ضرور معلوم ہو سکا کہ حافظ صالح محمد کشمیر سے ہجرت کر کے بھیٹ (ڈھانگری مرزا)، ضلع جہلم میں آباد ہوئے تھے۔ میاں سید محمد چشتی کے پوتے میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی اپنے خاندانی پس منظر سے متعلق لکھتے ہیں:

> ''منشی محمد شفیع ولد میاں محمد عظیم ولد میاں سید محمد ولد میاں محمد ہاشم دین ولد حافظ صالح محمد قوم منہاس ڈوگرہ راجپوت چند پشتیں اوپر جا کر ہمارے مورثِ اعلیٰ مسمیٰ بہ میاں پیڑا نے اسلام قبول کیا۔ اور حافظ صالح محمد سے ہماری سکونت بمقام بھیٹ متصل ٹلہ جوگیاں ضلع جہلم میں رہی''۔[4]

میاں سید محمد چشتی کے دادا حافظ صالح محمد نے ڈھانگری مرزا میں سکونت اختیار کی۔ ان کا خاندان ابھی تک اسی علاقے میں آباد ہے۔ حافظ صالح محمد ایک جیّد عالمِ دین تھے۔ مذہب اور تصوف سے محبت وعقیدت انھی سے ان کی آل اولاد میں منتقل ہوئی۔ حافظ صالح محمد کے چار بیٹے تھے۔ ان میں میاں سید محمد چشتی کے والد میاں محمد ہاشم سب سے بڑے تھے۔ دیگر تین بیٹوں کے نام علی محمد، فتح محمد اور محمد قاسم تھے[5]۔

2۔ نام اور ولادت:

میاں سید محمد چشتی کا اصل نام ''سید محمد'' تھا۔ ''میاں'' ایک مذہبی اور پڑھے لکھے گھرانے کو یا ایک استاد اور مُلّاں کو عزت دینے کے لیے کہا جاتا تھا۔ اور یہ سابقہ ان کے خاندان کے ساتھ پچھلی کئی پشتوں سے آ رہا ہے۔ میاں سید محمد چشتی اپنے نام کے ساتھ چشتی سلسلہ طریقت کی نسبت سے ''چشتی'' اور بسا اوقات اپنے مرشد پیر حیدر

علی شاہؒ کے نام کی نسبت سے ''چشتی حیدری'' کا اضافہ بھی کرتے تھے۔لیکن لوگوں میں ''میاں سید محمد چشتی'' اور ''میاں سیدن'' کے نام سے ہی مقبول تھے۔انھوں نے سی حرفیوں میں ''سیدن'' تخلص کیا۔مقامی لب و لہجے کی وجہ سے اکثر جگہ تخلص کے طور پر ''سیدنا'' بھی استعمال کیا۔

میاں سید محمد چشتی کی پیدائش بھیٹ (ڈھانگری مرزا) ضلع جہلم میں ہوئی۔ ان کی تاریخ پیدائش سے متعلق کسی قسم کی معلومات نہیں ملتیں۔ان کے خاندان کے لوگوں کی رائے ہے کہ وفات کے وقت ان کی عمر 80 برس کے لگ بھگ تھی۔ان کی وفات 1907ء میں ہوئی۔80 برس عمر کے حساب سے اندازہ لگایا جائے تو ان کی پیدائش 1827ء سے پہلے یا بعد میں ہوئی ہوگی۔لگ بھگ 80 برس کی عمر 78 برس بھی ہوسکتی ہے اور 82 بھی۔اس لیے یہ رائے قرین قیاس ہے کہ ان کی پیدائش 1825ء اور 1830ء کے درمیان ہوئی ہوگی۔

میاں سید محمد چشتی کے پوتے میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی کے مرتب کردہ شجرہ نسب سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں سید محمد چشتی کے کل چار بھائی تھے۔جن میں میاں محمد سب سے بڑے تھے جب کہ میاں سید محمد چشتی دوسرے نمبر پر تھے۔باقی تین بھائیوں کے نام میاں کرم دین، میاں غلام مصطفیٰ اور میاں شرف دین ہیں۔ان میں میاں غلام مصطفیٰ ایک جیّد عالمِ دین اور فقہ وحدیث کے ماہر تھے[6]۔

2.1۔ جائے ولادت کا جغرافیائی تعارف:

میاں سید محمد چشتی نے بھیٹ (ڈھانگری مرزا) میں آنکھ کھولی۔موضع بھیٹ ''ٹلہ جوگیاں'' کے دامن میں واقع ہے۔انتظامی حوالے سے یہ علاقہ تحصیل سوہاوہ، ضلع جہلم کی یونین کونسل نگیال کا حصہ ہے۔یہ علاقہ بحیثیت مجموعی ''ڈھانگری مرزا'' کہلاتا ہے۔مقامی روایت کے مطابق یہ تمام علاقہ کسی ''مرزا خان'' نامی شخص کی

ملکیت تھا۔اسی نسبت سے اس علاقے کو''ڈھانگری مرزا'' کہا جاتا ہے۔کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ڈھانگری ''ڈھا۔نگری'' سے ہے۔یعنی صدیوں پہلے یہ بستی ڈھے گئی، نیست و نابود ہوجانے کے بعد دوبارہ آباد ہوئی اور اس کا نام''ڈھا۔نگری'' سے ''ڈھانگری'' ہو گیا۔ یہ تو مقامی رائے ہے لیکن تاریخی اور جغرافیائی شواہد اس کے برعکس ہیں۔چکسواری، میر پور آزاد کشمیر میں ڈھانگری نام کے دو علاقے ''ڈھانگری بوہا'' اور''ڈھانگری بالا'' موجود ہیں۔ڈھانگری، سنسکرت کے لفظ''ڈھانگ'' سے مشتق ہے۔جس کے معنی ڈھلوان، چوٹی یا ٹیلہ کے ہیں۔جہلم کا یہ علاقہ چھوٹے بڑے پہاڑوں اور ٹیلوں پر مشتمل ہے۔اس علاقے کے زمینی خدوخال کے پیش نظر اس علاقے کو بھی''ڈھانگری'' کا نام دیا گیا۔یہ علاقہ شہر سے بالکل الگ تھلگ، آج بھی جغرافیائی، سیاسی اور سماجی طور پر ویسے ہی ہے جیسے صدیوں پہلے تھا[7]۔

3۔ تعلیم اور معاش:

میاں سید محمد چشتی پڑھے لکھے نہیں تھے۔ان کے متعلق میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی لکھتے ہیں:

> ''آپ اُمّی (اَن پڑھ) تھے۔گو آپ کے والدین اور آپ کے جدّ امجد حافظ قرآن مجید تھے۔اور آپ کے چھوٹے بھائی میاں غلام مصطفیٰ فقیہ اور محدّث تھے۔آپ نے آخری عمر میں قرآن پڑھنا شروع کیا۔ابھی آدھا ہی پڑھا ہوگا کہ آپ کی وفات ہو گئی''۔[8]

میاں سید محمد چشتی کی سی حرفیوں اور اُن میں بیان کیے گئے مضامین کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے راویوں کی اس بات پر یقین کرنا تھوڑا مشکل لگتا ہے کہ میاں سید محمد چشتی اَن پڑھ تھے۔جب باپ، دادا اور بھائی علمائے دین تھے تو میاں سید محمد چشتی جیسے صاحبِ طرز شاعر جن کا ایک ایک لفظ تصوف و معرفت کے رنگ میں رنگا ہوا ہے، اَن

پڑھ کیسے رہ گئے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ کسی بزرگ سے عقیدت کے پیش نظر اس کی شخصیت کو خدا کا خاص کرشمہ ثابت کرنے کی غرض سے کچھ کہانیاں اپنی طرف سے بھی بنالی جاتی ہیں۔ شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ جیسی بزرگ شخصیت کے متعلق بھی یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ کتابی علم سے بے نیاز تھے اور خدا نے تمام علوم ان کے سینے کی تختی پر لکھ دیے تھے''۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی۔ کیوں کہ شاہ عبدالطیف بھٹائیؒ کو عربی اور فارسی سے ایسی آگاہی حاصل تھی جو اس زمانے کی عام خواندگی سے بہت زیادہ تھی[9]۔

بہر حال، شواہد میاں سید محمد چشتی کی ناخواندگی کی طرف ہی اشارہ کرتے ہیں۔ میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی کی پیدائش سے پہلے ہی میاں سید محمد چشتی وفات پا چکے تھے، اس لیے یہ بات سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی کہ انھوں نے میاں سید محمد چشتی کی تعلیم سے متعلق وہی کچھ لکھا جو انھیں بتایا گیا تھا۔ امکانات یہی ہیں کہ انھیں اپنے دادا سے متعلق درست معلومات ہی میسر آئی ہیں۔ کیوں کہ میاں سید محمد چشتی اور میاں محمد شفیع کے درمیان کچھ زیادہ زمانی بُعد نہیں تھا۔ اس لیے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ میاں محمد شفیع کو اپنے دادا کے معاصرین سے ممکنہ حد تک درست معلومات حاصل ہوئی ہوں گی۔

میاں سید محمد چشتی کے بچپن سے متعلق تاریخ خاموش ہے۔ اس کی وجہ بھیٹ (ڈھانگری مرزا) کی کمزور خواندگی اور تعلیمی صورتِ حال ہے۔ ان کے حالات زندگی مفصل تحریر کرنا تو در کنار، ان کے مکمل کلام کو بھی محفوظ نہیں کیا جاسکا۔ میاں سید محمد چشتی کپڑا بنتے تھے۔ ان کا تمام عمر یہی ذریعہ معاش رہا۔ انھوں نے بہت سادہ زندگی گزاری۔ پیشہ صرف گزراوقات کے لیے تھا۔ ورنہ تو ان کی زندگی کا مرکز و محور صرف اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم، مرشد کی ذات اور سلوک و تصوف ہی رہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان کی زندگی ''ہتھ کار وَل، دِل یار وَل'' کی عملی تفسیر تھی تو غلط نہ ہوگا[10]۔

4۔ عائلی زندگی:

میاں سید محمد چشتی کی شریکِ حیات کا نہ تو نام معلوم ہو سکا اور نہ ہی یہ کہ ان کا تعلق کس خاندان سے تھا۔ ان کی اولاد میں چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ ایک بیٹا محمد دین صغر سنی میں ہی فوت ہو گیا تھا اور ایک بیٹا فضل دین عین جوانی میں فوت ہوا۔ سب سے بڑے بیٹے کا نام میاں محمد عظیم جب کہ ان سے چھوٹے کا نام میاں خدا بخش تھا۔ میاں خدا بخش برٹش آرمی میں ملازم رہے اور 1956ء میں فوت ہوئے۔ میاں محمد عظیم کی ولادت 1857ء کو بھیٹ (ڈھانگری مرزا) میں ہوئی۔ وہ اپنے چچا میاں غلام مصطفیٰ کی بیٹی معصومہ بی بی کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ انھی سے میاں سید محمد چشتی کا سلسلہ نسب آگے بڑھا۔ میاں محمد عظیم نے 18 دسمبر 1958ء کو جب کہ معصومہ بی بی نے 8 مئی 1947ء کو وفات پائی۔ ان کے ہاں دو بیٹیاں برکت بی بی اور زینب بی بی، اور دو بیٹے میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی اور عبدالغنی پیدا ہوئے۔ عبدالغنی چھوٹی عمر میں ہی فوت ہو گئے تھے[11]۔

4.1۔ میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی......ایک تسلسل:

میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی، میاں سید محمد چشتی کے بڑے بیٹے میاں محمد عظیم کے گھر 29 ستمبر 1909ء کو بھیٹ (ڈھانگری مرزا) میں پیدا ہوئے۔ مڈل تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد پرائمری سکول بھیٹ میں کچھ عرصہ بطور نائب مدرس ملازمت کی۔ ملازمت مستقل نہ ہونے کی وجہ سے انھیں یہ ملازمت چھوڑنی پڑی۔ 1932ء میں محکمہ ڈاک میں بطور چٹھی رساں ملازم ہوئے۔ 1970ء میں تقریباً 38 برس ملازمت کے بعد ریٹائر ہوئے۔ میاں محمد شفیع بھی اپنے دادا اور اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے آستانہ عالیہ جلالپور شریف میں اُس وقت کے سجادہ نشین پیر سیّد فضل شاہؒ کے ہاتھ پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ ان کی یہ روایت ابھی تک ان کے گھرانے

میں قائم ہے[12]۔

میاں محمد شفیع اپنے دادا میاں سید محمد چشتی کی طرح ایک صوفی اور درویش صفت انسان تھے۔ ساری عمر درویشی و گوشہ نشینی میں گزار دی۔ تصنیف و تالیف اور عبادت وریاضت ہی ان کا محبوب مشغلہ رہا۔ اُردو، پنجابی اور فارسی میں شاعری کرتے تھے۔ پنجابی شاعری میں اپنا اصل نام ''محمد شفیع'' جب کہ اُردو اور فارسی شاعری میں ''اختر'' تخلص کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے پیچھے شاعری کا کثیر ذخیرہ چھوڑا ہے جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ راقم نے ان کی پنجابی سی حرفیوں پر ایم فل کا مقالہ بعنوان: ''سی حرفیاں میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی: تدوین و تحقیق'' لکھا۔ ان کے پنجابی کے دیگر کلام کی تدوین جاری ہے۔ اس کے علاوہ اُردو اور فارسی کلام کی تدوین و تحقیق پروفیسر محمد ثقلین ضیغم بہت جانفشانی سے سرانجام دے رہے ہیں۔ میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی کا نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

☆ **پنجابی:**

الف: اِس پریم دے لین مزے، اوہو جان جنہاں جاتی جان ناہیں
جنہاں جان نوں رَکھیا جان کر کے، چھاتی ڈاہ میدان وِچ جان ناہیں
پاون مزے پتنگ نہ وَصل والے، جاں تک اپنی جان جلان ناہیں
محمد شفیع میاں گل وصل والی، بناں سِیس دِتے ہوندی دان ناہیں [13]

☆ **اُردو:**

''نعت شریف''

ہے جنت بداماں بہارِ مدینہ
شہِ دو سرا شہریارِ مدینہ
ہزاروں بہاریں ہوں اس پر تصدق
گلِ تَر سے برتر ہے خارِ مدینہ

بہ حیرت اسے دیکھتی ہے ثریا
کہ ہے کہکشاں رہگزارِ مدینہ
جو اِک بار آئے وہ جانے نہ پائے
خوشا وہ جو ہو دل فگارِ مدینہ
بھلا تشنگی دور ہو اس کی کیسے
جو مے کش کہ ہو مے گسارِ مدینہ
خرد کے یہاں ہے فقط بے یقینی
مگر دل ہے بس بے قرارِ مدینہ
مرے دل کے صاحب مرے سَر کے مالک
صغارِ مدینہ کبارِ مدینہ
شفا گھر بھی اس کا مدینے میں ہو گا
وہ دل جو کہ ہے داغ دارِ مدینہ
محبت میں ہے بات اخترؔ اسی کی
جو رہتا ہے نِت اشکبارِ مدینہ [14]

 **فارسی:**

''غزل''

خوشا یاراں کہ آں جانِ جہاں تشریف آور شد
تو گوئی ذرّہ از فیضِ قدومت ہمچو خاور شد
رقیبِ من ز اقدامش ہمہ غرقِ تحیّر شد
بہ سمعش ایں قدر گوئی بصد مشکل کہ باور شد
پیے خوشنودیٔ طبعم خوشا آں نازنین من
بدستِ ساقی خوشرو پر از صہبائی ساغر شد

اگر چہ من کمینہ کمترین و کہترینم بود
مگر امروز از فیض و نورش بندہ افسر شد
حدیث رنج و سختی را بہ آبِ لطفِ او شستم
مسرت در مسرت چوں بہارِ تازہ در برشد[15]

میاں محمد شفیع اپنے دادا میاں سید محمد چشتی سے بہت عقیدت اور محبت رکھتے تھے۔میاں سید محمد چشتی کا دستیاب کلام انھی کی محنت اور کوشش کا نتیجہ ہے۔میاں محمد شفیع باقاعدگی سے اپنے دادا کی قبر پر حاضری دیتے تھے۔وہ اپنے روزنامچے میں لکھتے ہیں:

''بر مرقدِ حضرت جدِّ امجد میاں سید محمد چشتی مرحوم بتاریخ ۲۸ اگست ۱۹۳۷ء مندرجہ ذیل بیت تحریر کردم (اختر)
س: سُتا ایں کیوں خاموش ہو کے ذرہ کھول پردہ دسیں جھات بابا
اسیں تہنڈڑے دِیدنوں ترس موئے کدی نال ساڈے کر دیوں بات بابا
ساڈے بھاہ دا چن غروب ہویا وَسے جگ اندھیرڑی رات بابا
محمد شفیع گئیوں سینہ سَل میرا لا کے غماں والی گجھی کات بابا''[16]

میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی نے 20 مارچ 1990ء کو کالا گوجراں (ضلع جہلم) میں وفات پائی۔ان کی تجہیز و تکفین اپنے آبائی گاؤں بھیٹ (ڈھانگری مرزا) میں ہوئی۔ان کی قبر اپنے دادا میاں سید محمد چشتی کے پہلو میں ہے۔

5۔ فکری وطبعی میلانات:

پچھلی کچھ پیڑھیوں سے میاں سید محمد چشتی کے خاندان کا طبعی میلان مذہب وتصوف کی جانب تھا۔میاں سید محمد چشتی نے اس ماحول سے گہرا اثر لیا اور اوائل عمری میں ہی اپنے اجداد کی روش اختیار کر لی۔ان کا فکری رجحان چشتیہ سلسلہ کی طرف تھا۔

اس لیے سلسلہ چشتیہ کے بزرگ حضرت پیر سیّد غلام حیدر علی شاہؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت سے شرف یاب ہوئے۔میاں سید محمد چشتی کی بیعت کا واقعہ یوں ہے کہ انھیں خواب میں کسی ٹوپی پوش نوجوان فقیر کی زیارت ہوئی۔آپ ایک عرصہ تک اس فقیر کی تلاش میں رہے۔آخر جلالپور شریف میں انھیں گوہرِ مقصود حاصل ہوا[17]۔ان کے خاندان کی آستانہ عالیہ جلالپور شریف سے وابستگی ابھی تک قائم ہے۔

5.1۔ حضرت پیر سیّد غلام حیدر علی شاہؒ سے وابستگی:

حضرت پیر سیّد غلام حیدر علی شاہؒ کی ولادت 26 اپریل 1838ء کو حضرت جمعہ شاہؒ کے گھر جلالپور شریف، تحصیل پنڈ دادنخان، ضلع جہلم میں ہوئی۔آپ کے دم قدم سے جلالپور شریف کو تمام دنیا میں شہرت دوام حاصل ہوئی۔پیر حیدر علی شاہؒ حسینی سیّد ہیں اور آپ کا سلسلہ نسب دسویں پشت میں حضرت سیّد مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ سے ملتا ہے۔دینی ودنیوی تعلیم مکمل کر لینے کے بعد آپ روحانی تربیت کے لیے خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے۔

پیر حیدر علی شاہؒ کی تمام عمر فقر و درویشی میں گزری۔آپ میں خود پسندی کا مادہ بالکل نہیں تھا۔حتیٰ کہ صرف سیّد ہونا اپنے لیے موجبِ افتخار سمجھنے کی بجائے تقویٰ و پرہیز گاری کو اپنایا۔آپ ہر معاملے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔آپ صاحب کشف وکرامات تھے۔آپ کے ہاں تین صاحبزادوں سیّد بدیع الزمان شاہ، سیّد قائم الدین شاہ اور سیّد محمد مظفر علی شاہ کی ولادت ہوئی۔سیّد مظفر علی شاہؒ کے ہاں پیر سیّد محمد فضل شاہؒ پیدا ہوئے۔جنھیں امیرِ حزب اللہؒ بھی کہا جاتا ہے۔پیر حیدر علی شاہؒ کا وصال 7 جولائی 1908ء کو ہوا۔آپ کا مزار جلالپور شریف، تحصیل پنڈ دانخان، ضلع جہلم میں مرجع خاص وعام ہے[18]۔

میاں سید محمد چشتی کو اپنے مرشد سے بے حد عقیدت اور محبت تھی۔جس کا

اظہار انھوں نے جا بجا اپنے کلام میں کیا۔ اگر یوں کہا جائے کہ ان کی شاعری تھی ہی اپنے مرشد کی تعریف وتوصیف کے لیے تو غلط نہ ہوگا۔ آپ ایک سچے صوفی اور سالکِ راہِ حقیقت تھے۔ اور اپنے مرشد سے ان کی وابستگی عام مریدین کی طرح محض دنیوی منفعت کے لیے نہیں تھی۔ بلکہ ان کے لیے مرشد ایک سچا ہادی اور رہبر تھا۔

ایک دفعہ میاں سید محمد چشتی نے اپنے مرشد پیر غلام حیدر علی شاہؒ کے لیے پیغام ارسال کیا کہ ''لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں میاں سیدن! تمھیں شاہ صاحب جلالپوری نے کیا دیا؟'' پیر غلام حیدر علی شاہؒ نے جواباً ارشاد فرمایا: ''ہم نے تمھیں عشق عطا کیا۔ جو خلافت سے کئی ہزار درجہ بلند ہے''۔ چوں کہ میاں سید محمد چشتی کپڑا بنتے تھے، اسی نسبت سے مثال دیتے ہوئے مزید فرمایا: ''کیا تم ٹوٹے ہوئے تاگے جوڑتے ہو یا درست تاگوں کو توڑ کر پھر جوڑتے ہو؟ اسی طرح پیر کا کام ہوتا ہے''[19]۔

6۔ شعری ذوق:

میاں سید محمد چشتی ناخواندہ تھے۔ اُن کا موزوں شعر کہنا محض عطائے الٰہی تھا۔ ان کی فطرت میں درد اور سوز قدرت کی طرف سے ودیعت کردہ تھا۔ تصوف و سلوک اور مرشد سے محبت نے ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو ابھارنے میں سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ''اس وقت کے لوگوں کا بیان ہے کہ جس وقت وہ شعر کہنا شروع کرتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دریا اُمڈا چلا آ رہا ہے۔ چونکہ وہ جو کہتے تھے تازہ کلام ہوتا تھا، سامعین ہمہ تن گوش ہو کر ساری ساری رات سنا کرتے تھے۔ افسوس کہ آپ کا کلام بہت ہی تھوڑا قلمبند کیا گیا۔ جسے نہ ہونے کے برابر کہا جائے تو

مبالغہ نہیں''۔[20]

میاں سید محمد چشتی کے کلام پر فکری و فنی حوالے سے، آئندہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔

6.1۔ اشتیاقِ حیدری (مطبوعہ):

میاں سید محمد چشتی کا کلام ''اشتیاقِ حیدری'' کے نام سے ایک کتابچے کی صورت میں سیٹھ آدم جی عبداللہ اینڈ کمپنی پبلشرز بمبئی والے، نولکھا بازار، لاہور نے 1940ء میں شائع کیا۔ اس کتابچے کے باہر ٹائٹل پر ''سی حرفی حیدری'' تحریر ہے۔ جب کہ اندرونی ٹائٹل پر ''سی حرفی مجموعہ المعروف اشتیاق حیدری بہ مدح قبلہ عالم و عالمیاں حضرت پیر غلام حیدر علی شاہ نوراللہ مرقدہ جمع کردہ میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی متصل ٹلہ جوگیاں ضلع جہلم'' درج ہے۔ دیباچہ میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی نے تحریر کیا ہے۔ اس کتابچے کے کل 40 صفحات ہیں جن کا سائز 7x4.5 انچ ہے۔

اس کتابچے کے ساتھ دوسرے مختلف کتابچے (پنجابی) اجتماعی طور پر مجلّد ہیں۔ اس اجتماعی جِلد میں شامل کتابچے ان شعرا کے ہیں:

☆ مستری شیر محمد ولد نور الٰہی، کھبکی ضلع سرگودھا (بہ مدح پیر فضل شاہؒ)
☆ حضرت مولانا الحافظ عبدالمجید ساکن کڑی شریف (مناقب الابرار)
☆ ابوالظفر نذر احمد علوی سلانوالی ضلع سرگودھا (وصالِ امیر حزب اللہ)
☆ استاد حکیم صاحب لاہوری (مدینے دی تاہنگ)
☆ راجہ محمد افضل خان (سی حرفی جدائی دلبنداں)
☆ بیگم جی (ناقص الطرفین)
☆ تاراچند رٹی سی گجراتی (ناقص الطرفین)

مذکورہ بالا کے علاوہ اس جلد میں کچھ اوراق (اَستر) ایسے بھی ہیں جن میں

میاں سید محمد چشتی کا غیر مطبوعہ کلام تحریر ہے۔ یہ کلام حافظ عبدالغنی نے ان اوراق میں محفوظ کیا تھا۔

7۔ شخصیت:

ظاہری خدوخال کے برعکس، شخصیت انسان کے ذہن کی عکاس ہوتی ہے۔ میاں سید محمد چشتی ہر دلعزیز شخصیت کے مالک تھے۔ وہ ایک باعمل صوفی تھے۔ اور صوفیا کے اندر لوگوں کے لیے ایک خاص قسم کی کشش قدرت کی ودیعت کردہ ہوتی ہے۔ متاثر کن شخصیت کے حامل لوگ ہی اپنے خیالات اور جذبات کو دوسروں تک منتقل کر سکتے ہیں۔ میاں سید محمد چشتی لوگوں کو بہت جلد اپنا گرویدہ بنا لیتے تھے۔ سادگی، متانت اور مذہب و تصوف سے محبت انھیں ورثے میں ملی تھی۔ میاں سید محمد چشتی ایک سچے درویش تھے۔ ہر وقت یادِ الٰہی میں مستغرق رہتے۔ لیکن انھوں نے اپنی دنیاوی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں کبھی غفلت کا مظاہرہ نہیں کیا۔

میاں سید محمد چشتی کے دادا حافظ صالح محمد حافظِ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عالم دین تھے۔ میاں سید محمد کے والدین بھی حافظِ قرآن تھے۔ انھوں نے ایک مذہبی اور تعلیم یافتہ گھرانے میں آنکھ کھولی۔ گھر کے اندر صوم و صلواۃ، اشراق و تہجد، ذکر اذکار اور دُرود و وظائف کا معمول رہتا تھا۔ ایسے ماحول میں پروان چڑھنے والے انسان کی شخصیت پر مذہبی اثرات کا ہونا ایک فطری امر ہے۔ میاں سید محمد چشتی کا بچپن ہی سے مزاج مذہب و تصوف کی طرف مائل تھا۔ یہ وجہ تو معلوم نہیں ہو سکی کہ ایسے علمی اور مذہبی گھرانے میں پیدا ہونے کے باوجود وہ اَن پڑھ کیسے رہ گئے۔ جب کہ ان کے چھوٹے بھائی میاں غلام مصطفیٰ ایک جیّد عالمِ دین تھے۔ لیکن ان کے معاصرین کا کہنا ہے کہ میاں سید محمد چشتی لکھنے اور پڑھنے کی صلاحیت سے محروم ہونے کے باوجود انتہائی عالمانہ گفتگو کرتے تھے۔ اکثر لوگ ان کے پاس دینی اور دنیوی مسائل سے متعلق

مشاورت کے لیے آتے تھے۔

ایک زمانہ تھا جب لوگ آج کی طرح مصروفیات میں الجھے ہوئے نہیں رہتے تھے۔ اور نہ ہی وقت گزاری کے لیے ٹی وی، انٹرنیٹ اور موبائل جیسی سہولیات میسر تھیں۔ گاؤں دیہاتوں میں تو شام ہوتے ہی چوپال سج جایا کرتی تھی۔ بھیٹ (ڈھانگری مرزا) بھی ایک گاؤں ہے۔ یہاں بھی شام کے بعد رات گئے محفلیں سجا کرتی تھیں۔ جن میں لوگ نہ صرف آپس کے دُکھ دَرد بانٹتے بلکہ میاں سید محمد چشتی سے ان کا کلام بھی بڑے ذوق وشوق سے سنا کرتے تھے۔ میاں سید محمد کی شاعری لوگوں کے لیے روحانی تسکین کے ساتھ ساتھ اخلاقی تربیت کا باعث بھی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اردگرد کے تمام علاقوں میں ان کا شہرہ تھا اور لوگوں کو ان کا کلام زبانی یاد تھا۔

میاں سید محمد چشتی کی شاعری یا علمیت اور مذہب وتصوف سے رغبت و عقیدت کی جب کوئی تعریف کرتا تو وہ ہمیشہ فرماتے کہ یہ سب خواجہ غریب نواز جلالپوری کا فیضانِ نظر ہے جنھوں نے اس ناچیز کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ سادگی، خلوص اور استغنا و بے ریائی میاں سید محمد چشتی کی شخصیت کا خاصہ تھے۔

8۔ خوارق وکرامات:

میاں سید محمد چشتی ایک صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ ان کے نام کے ساتھ بھی کئی کرامات منسوب ہیں[21]۔ لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بزرگوں اور صوفیوں سے بے شمار غیر معمولی افعال اور تصرفات منسوب کیے جاتے ہیں۔ اور انھی غیر معمولی افعال وتصرفات کو حقائق کے برعکس بڑھا چڑھا کر پیش کرنا بھی عام سی بات ہے۔ اس لیے میاں سید محمد چشتی سے متعلق سُنی سنائی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف وہ کرامات بیان کی جا رہی ہیں جو تحریری طور پر ہم تک پہنچیں۔ پہلا واقعہ میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی کی پیدائش سے متعلق ہے۔ میاں محمد شفیع اس

حوالے سے خود تحریر کرتے ہیں:

''میرے والد صاحب قبلہ میاں محمد عظیم فرماتے ہیں کہ جب آپ [میاں سید محمد چشتی] کا آخری وقت ہوگیا تو آپ نے مجھے اپنے پاس بلا کر فرمایا۔ کہ مجھے کوئی شعر سناؤ۔ تو میں نے تعمیلِ ارشاد کرتے ہوئے آپ کا شعر مندرجہ ذیل پڑھا:

خ: خواہش آہی ملے فیر ماہی، اساں رَو رَو عمر ونجائی آ او
لوک چین کردے تتی وَین کردی، برجھی وِچ کلیجڑے لائیاو
پورب پچھّم دی خبر نہ مُول جاناں، تتی سُتڑی آن جگائی آ او
سیدن اوہ دھوآں محرم یار والا، پھُوک مار کے اُگ مچائی آ او

شعر سنکر آپ نے فرمایا منہہ [منہ] کھول تو میں نے منہہ کھولا۔ تو آپ نے اپنا لعاب دہن میرے منہہ میں ڈالا۔ اور فرمایا 'جا اگر متھے بل نہ ہویا تے پھلّی ضرور ہوسی'۔ اور دعا فرمائی اور اس کے تھوڑی دیر کے بعد آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔ اس وقت میرے والد صاحب کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس کے بعد اللہ کریم کی مہربانی اور آپکی [میاں سید محمد چشتی] کی دعا سے بندہ کی ولادت ہوئی۔ الحمدللہ آپ کی دعا کا نتیجہ ظاہر ہے۔ گو مجھ میں اتنی استعداد اور قابلیت تو نہیں مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ لون مرچ ضرور ہے''۔[22]

دوسری کرامت انتہائی دل چسپی کی حامل ہے۔ جس کا تعلق میاں سید محمد چشتی کے ان اشعار سے ہے جن میں انھوں نے سو سال سے بھی زیادہ عرصہ پہلے کچھ پیش گوئیاں کی تھیں جو آج سچ ثابت ہو چکی ہیں:

م: موت نکھیڑ دی دنیا توں، اے پر موت نہ نام نوں مار سکدی
بھاویں لکھے تے صدیاں دا رہوے اوہلا، آخر لکھت ہی نام نوں تار سکدی

لکھی گل دے وِچ ہووے اثر تاں فیر، لکھی گل سڑے دِلاں نوں ٹھار سکدی
بعد صدی دے سید نے فیر جیوناں، موت لکھیا نہیں کر بے کار سکدی
[23]

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ تحریر کبھی موت کے ساتھ فنا نہیں ہوتی۔ لکھنے والوں کے ناموں پر وقت کا پردہ پڑا بھی رہے تو آخر ایک نہ ایک دن وہ نام ابھر کر سامنے آ ہی جاتے ہیں۔اس کی کتنی ہی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔میاں سید محمد چشتی نے آخری مصرع میں ایک صدی کے بعد اپنے نام کے دوبارہ منظرِ عام پر آنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ انھیں اس دارِ فانی سے کوچ کیے تقریباً 119 برس بیت چکے ہیں۔ایک اور جگہ کہتے ہیں:

ن: نام نشان مِٹ جاوندے نیں، پر رب میں تے انعام کرسی
میری آل وچوں کوئی مرد صالح، میرے شعر محفوظ تمام کرسی
اللہ اُس نوں رحمتوں بہوں دیسی، نالے فقر دے اُس تائیں دان کرسی
تعلق دار کوئی اُس دی آل دا فیر، میری ذات تائیں احسان کرسی
دَھن واد نے اُس جوان تائیں، گمنام دا جگ وِچ نام کرسی
سید نے اُس تائیں دِلوں دعا کردا، اُس دے نام نوں جگت سلام کرسی
[24]

اس بند میں میاں سید محمد چشتی کی طرف سے اس قدر وضاحت کر دی گئی ہے کہ اس پر مزید تبصرہ کرنے کی گنجائش ہی نہیں۔اس بند میں کی گئی پیش گوئی میں انھی کی آل کا ایک مردِ صالح، میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔اور اُن کی آل کا تعلق دار ہونے کا گمان راقم اپنی ذات کے حوالے سے کر سکتا ہے۔اگر یہ اشعار واقعی میاں سید محمد چشتی کے ہیں تو راقم کے لیے ان کا کلام منظرِ عام پر لانا کسی سعادت سے کم نہیں۔ ان اشعار کے حوالے سے آئندہ صفحات (تدوینِ متن) میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

9۔　وفات:

کسی نے میاں سید محمد چشتی سے جھوٹ موٹ میں کہہ دیا کہ پیر غلام حیدر علی شاہؒ آپ سے ناراض ہیں۔ سنتے ہی تڑپ اٹھے اور صاحبِ فراش ہو گئے۔ اور ہر وقت یہ مصرع ورد زبان رہتا:

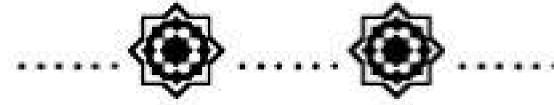
مدّت ہوئی لڑ تیرے لگیاں، ہُن کیوں جھڑکاں دیندے او

آخر میاں سید محمد چشتی نے اپنے بڑے بیٹے میاں محمد عظیم کو اپنے برادرِ طریقت میاں جیونؒ کے پاس بھیجا جو رہتاس میں مقیم تھے تا کہ حقیقتِ حال سے آگاہ کرے۔ میاں جیونؒ جلالپور تشریف لے گئے اور حضرت خواجہ غریب نواز جلالپوری کی خدمت اقدس میں تمام معاملہ گوش گزار کیا۔ حضرت خواجہ غریب نواز نے سن کر فرمایا: ''جھلے نوں کسے ایویں ای آکھیا ہوسی۔ ہم سیدن پر کوئی ناراض نہیں''۔ پھر توجہ سے دعا فرمائی۔ اور میاں جیونؒ سے فرمایا: ''میاں صاحب! سیدن کو میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ اب ہماری اور تمھاری ملاقات قیامت کے روز ہو گی''۔

میاں جیونؒ، جلالپور شریف سے تیسرے چوتھے دن بھیٹ پہنچے۔ مرشد کا پیغام ان کے عاشقِ صادق کو پہنچایا اور رات مسجد میں چلے گئے۔ میاں جیونؒ فرماتے تھے کہ ''میں نے خواب میں دیکھا، جناب خواجہ غریب نواز جلالپوری اپنے فرزند اکبر سید مظفر علی شاہؒ اور صاحبزادہ سیّد محمد فضل شاہؒ کے ساتھ تشریف لے جا رہے ہیں۔ ان حضرات کے عقب میں میاں سید محمد چشتی ہیں۔ میں نے بڑھ کر خواجہ غریب نواز سے دریافت کیا ''کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟''۔ جواب ملا: ''سیدن کو رخصت کرنے آئے ہیں''۔ ادھر خواب کا آنا تھا، اُدھر میاں سید محمد چشتی کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

آپ کی وفات 5 ساون 1965 بکرمی بمطابق 18 جولائی 1907ء کو اپنے

مرشد طریقت حضرت پیر سیّد غلام حیدر علی شاہؒ کی وفات سے تقریباً ایک برس پہلے ہوئی۔آپ کی قبر خانقاہ فاضل شاہ بخاریؒ کے قریب قبرستان کے اس راستے پر واقع ہے جو بھیٹ کیمشر قی جانب سے ہو کر خانقاہ کو جاتا ہے[25]۔قبر پر پتھر کا کتبہ نسب ہے۔قبر ابھی تک کچی ہے۔اسی قبر کے ارد گرد میاں سید محمد چشتی کے خاندان کی دیگر قبریں بھی موجود ہیں۔اُن کی قبر کے پہلو میں ان کے پوتے اور پنجابی، اُردو اور فارسی کے صاحبِ طرز شاعر میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی کی آخری آرام گاہ ہے[26]۔



حواشی

1۔ راجا امجد منہاس، پروفیسر، پوٹھوہار نامہ، رومیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، راولپنڈی، 2013ء، ص ص:148 تا149

2۔ ایضاً، ص:152

3۔ اختر ڈھانگروی، میاں محمد شفیع (مرتب)، شجرہ نسب، س ن، مملوکہ میاں عبدالرشید، بھیٹ (ڈھانگری مرزا) تحصیل سوہاوہ، ضلع جہلم

4۔ اختر ڈھانگروی، میاں محمد شفیع، ساز شکستہ (قلمی)، 1960ء، مملوکہ میاں عبدالرشید، بھیٹ (ڈھانگری مرزا) تحصیل سوہاوہ، ضلع جہلم، ص:i

5۔ اختر ڈھانگروی، میاں محمد شفیع (مرتب)، شجرہ نسب۔

6۔ انٹرویو: میاں عبدالرشید، بھیٹ (ڈھانگری مرزا)، تحصیل سوہاوہ، ضلع جہلم، بتاریخ 12 دسمبر 2016ء

7۔ حسنین ساحر، سی حرفیاں میاں سید محمد چشتی: تدوین و تحقیق (تحقیقی مقالہ برائے ایم فل پاکستانی زبانیں و ادب)، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، 2015ء، ص ص:1 تا 2

8۔ اختر ڈھانگروی، میاں محمد شفیع، دیباچہ: اشتیاقِ حیدری (مطبوعہ)، سیٹھ آدم جی عبداللہ اینڈ کمپنی پبلشرز بمبئی والے، نولکھا بازار، لاہور، 1940ء، ص:2
9۔ غلام رسول مہر، مولانا، ''احوال شاہ عبدالطیف'' مشمولہ: معارفِ لطیف (مرتبہ: محمد یوسف شیخ)، پرنسپل کیڈٹ کالج، لاڑکانہ، 2000ء، ص:44
10۔ انٹرویو: میاں مظہر جمیل ولد میاں عبدالرشید، بھارا کہو، اسلام آباد، بتاریخ 06 جون، 2016ء
11۔ اختر ڈھانگروی، میاں محمد شفیع، روزنامچہ گنجینہ اسرار (قلمی)، جلد اوّل، 1937ء، مملوکہ میاں عبدالرشید، ص:100
12۔ سی حرفیاں میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی: تدوین و تحقیق، ص:3 سے 15
13۔ اختر ڈھانگروی، میاں محمد شفیع، مجموعہ سی حرفیہائے پنجابی (قلمی)، مملوکہ میاں عبدالرشید، 1972ء، ص:11
14۔ اختر ڈھانگروی، میاں محمد شفیع تکمیلِ شوق (قلمی)، مملوکہ میاں عبدالرشید، 1986ء، ص:82
15۔ اختر ڈھانگروی، میاں محمد شفیع، حرفِ شوق، حصہ دوم (فارسی)، مملوکہ میاں عبدالرشید، 1949ء، ص:15
16۔ اختر ڈھانگروی، میاں محمد شفیع، روزنامچہ: گنجینہ اسرار (قلمی)، ص:100
17۔ اختر ڈھانگروی، میاں محمد شفیع، دیباچہ: اشتیاقِ حیدری (مطبوعہ)، ص:4
18۔ صابری، صاحبزادہ مقصود احمد، تذکرہ اولیائے پوٹھوہار، ہاشمی پبلی کیشنز، راولپنڈی، س ن، صص:612 تا 628
19۔ اختر ڈھانگروی، میاں محمد شفیع، دیباچہ: اشتیاقِ حیدری (مطبوعہ)، ص:4
20۔ اختر ڈھانگروی، میاں محمد شفیع، دیباچہ: اشتیاقِ حیدری (مطبوعہ)، ص ص:2 تا 3
21۔ انٹرویو: میاں عبدالرشید، بھیٹ (ڈھانگری مرزا)، تحصیل سوہاوہ، ضلع جہلم،

بتاریخ 13 ستمبر 2016ء

22۔ اختر ڈھانگروی، میاں محمد شفیع، دیباچہ: اشتیاقِ حیدری (مطبوعہ)، ص ص: 7 تا 8

23۔ اشتیاق حیدری (اجتماعی جلد)، قلمی تحریر بدست حافظ عبدالغنی

24۔ ایضاً

25۔ اختر ڈھانگروی، میاں محمد شفیع، دیباچہ: اشتیاقِ حیدری (مطبوعہ)، ص: 8

26۔ انٹرویو: میاں عبدالرشید، بھیٹ (ڈھانگری مرزا)، تحصیل سوہاوہ، ضلع جہلم، بتاریخ، 17 جنوری، 2016ء



[۲]

تدوین متن

میاں سید محمد چشتی کے کلام کا کوئی ایسا متن دستیاب نہیں ہے جسے انھوں نے خود تحریر کیا ہو یا اپنی نگرانی میں تحریر کروایا ہو۔ چوں کہ وہ خود لکھنے پڑھنے کی صلاحیت سے محروم تھے، اس لیے ان کا زیادہ تر کلام ان کے برادر زادے میاں محمد طیّب [1] نے قلم بند کیا۔ لیکن تا حال ان کا لکھا ہوا نسخہ بھی دستیاب نہیں ہو سکا۔ میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی کے مطابق یہ نسخہ 1930ء میں ضائع ہو گیا تھا[2]۔ اس نسخے کے کچھ صفحات میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی کو ملے جو انتہائی ضعیف حالت میں تھے۔ میاں سید محمد چشتی کا اب تک دستیاب کلام ان کے پوتے میاں محمد شفیع کی کوششوں سے محفوظ ہوا جو انھوں نے اپنے قلمی نسخے ''ارمغانِ چشتی'' میں مرتب کیا اور اس حصے کو ''گنجِ سید محمد چشتی'' کا نام دیا۔ اسی قلمی نسخے میں میاں سید محمد چشتی کے کلام کے آخر میں میاں محمد شفیع لکھتے ہیں:

> ''ناظرین با تمکین! یہ مجموعہ اشعار موسوم بہ تحفہ سید محمد چشتی حیدری مرحوم ساکن بھیٹ کا ہے۔ کیونکہ جناب ممدوحؒ اُمّی محض تھے اور شعر اُس والہانہ عشق کے ماتحت کرتے تھے۔ جو انھیں حضرت خواجہ غریب نواز پیر غلام حیدر علی شاہ صاحب جلال پور شریف کے ساتھ تھا۔ سوز اور گداز جو ان کے اشعار میں پایا جاتا ہے۔ یہ

اُس پاک اور بے لوث محبت کا صدقہ ہے جو انھیں اپنے پیرِ کامل کے ساتھ تھا۔ زیادہ تر اشعار آپ کے برادرزادہ میاں محمد طیّب مرحوم ولد میاں غلام مصطفٰے نے قلم بند کیے۔ پھر وہ نسخہ ضائع ہو گیا۔ جو کہ بڑی مشکل کے ساتھ دستیاب ہوا۔ یہ اس ناچیز کی کوشش کا نتیجہ ہے جو کہ پیشِ نظر ہے''۔[3]

''اشتیاقِ حیدری'' میں میاں محمد شفیع اپنے دادا کے گم شدہ کلام کی طباعت کی کہانی یوں بیان کرتے ہیں:

''یہ جو کچھ مجھ تک پوہنچا [پہنچا] ہے۔ وہ بقیہ کلام ہے۔ جو تخت پڑی واقع ضلع راولپنڈی میں حضرت احمد جی چشتیؒ نے طبع کرایا۔ اور بعد معلوم نہیں۔ اور نہ ہی آج تک خبر ملی کہ وہ مطبوعہ کلام کدھر گیا۔ اگر یہ بھی اس کے ساتھ طبع ہو جاتا تو ان حضرات کی بے توجہی کا شکار ہو جاتا۔ یہ اس وقت ہوا جب راقم الحروف کم عمر تھا۔ اور والد صاحب قبلہ نے بھی چنداں پرواہ نہیں کی۔ 1923ء میں بندہ جب حضرت استاذی مولٰینا مولوی عبدالرحیم مرحوم مغفور کے پاس پڑھتا تھا۔ تو آپ نے مولوی احمد جی چشتیؒ کو کارڈ لکھ کر دریافت فرمایا۔ کہ سید محمد مرحوم کی سیحر فی ہائے جو طبع کرنے کیلئے آپ کو دی گئی تھیں [ان کا کیا ہوا؟]۔ تو آپ نے جواب میں ارقام فرمایا کہ ہم نے ۵۰۰ صد کاپی طبع کرائی تھی۔ وہ کوئی کتب فروش کوہستان کی طرف لے گیا تھا [جس کے متعلق کسی قسم کی کوئی اطلاع نہیں کہ اس نے ان کا کیا کیا]''۔[4]

میاں محمد شفیع نے دستیاب کلام کا بیش تر حصہ میاں محمد طیّب کے مرتب کردہ نسخے سے حاصل کیا جو چند پریشان اوراق پر مشتمل تھا۔ جس کے زیادہ تر اوراق امتدادِ

زمانہ کی نظر ہو چکے تھے۔ کئی اشعار میاں محمد شفیع نے اپنے والد میاں محمد عظیم اور ان لوگوں کی یاداشتوں سے حاصل کیے جو اُن کے والد کے ہم عصر تھے۔ اس کتاب میں شامل کلام میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی کے قلمی نسخے ''ارمغانِ چشتی'' اور ''اشتیاقِ حیدری'' والی اجتماعی جلد (جس میں کتابچہ ''اشتیاق حیدری'' کے علاوہ سات مختلف کتابچے جوڑ کر جلد کیے گئے ہیں) سے حاصل کر کے مدوّن کیا گیا ہے۔ تدوین شدہ کلام میں چار سی حرفیاں اور چند متفرق ابیات شامل ہیں۔ ''ارمغانِ چشتی (کنجِ سید محمد چشتی)'' کو اساسی نسخے کے طور پر بروئے کار لایا گیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ مطبوعہ کلام کی تشہیر اسی سے ہوئی اور دوسری یہ کہ اساسی نسخے کا بیش تر کلام ''اشتیاقِ حیدری (مطبوعہ)'' میں شامل نہیں ہے۔ پیشِ نظر کتاب کو ''اشتیاقِ حیدری (مطبوعہ)'' اور ''ارمغانِ چشتی (کنجِ سید محمد چشتی)'' کا آمیختہ نسخہ نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ اس میں شامل کلام ''اشتیاقِ حیدری (مطبوعہ)'' سے لینے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ البتہ میاں سید محمد چشتی کے احوال کے حوالے سے اس کتابچے سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔

سی حرفی چہارم میں حرف ''ق'' کے بعد کے بند نہ تو ''اشتیاق حیدری (مطبوعہ)'' میں شامل ہیں اور نہ ہی ''کنجِ سید محمد چشتی مشمولہ ارمغانِ چشتی'' میں۔ یہ اشعار ''اشتیاق حیدری'' نامی اجتماعی جِلد میں مجلد اوراق (اَستر) پر نیلی روشنائی کے ساتھ تحریر کیے گئے ہیں۔ یہ تمام تر کلام میاں سید محمد چشتی کی شخصیت کے روحانی پہلوؤں کے حوالے سے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ لکھنے والے نے اپنا نام ''عبدالغنی'' لکھا ہے۔ عبدالغنی نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ یہ اشعار ''اشتیاق حیدری'' میں مطبوعہ سی حرفی چہارم کے بقیہ اشعار ہیں۔ عبدالغنی نے آخر میں یہ حاشیہ تحریر کیا ہے:

> ''یہ کلام چند بوسیدہ اوراق پر تحریر تھا جو مجھے امام مسجد پدہری نے منشی محمد شفیع صاحب کو دینے کی ہدایت کی۔ میں نے اُن اوراق

کی حالت دیکھ کر اس کتاب کے خالی اوراق پر صرف وہ شعر تحریر
کرنے کی سعی کی جو میاں سید محمد کی سی حرفی حیدری [اشتیاق
حیدری] میں شامل نہیں ہے [ہیں]۔ یہ کتاب منشی شفیع صاحب
کی میرے پاس بغرض مطالعہ ہے۔ میاں سید محمد ولی اللہ تھے۔
ان کا کلام نقل کرنا میرے لیے سعادت سے کم نہیں۔ العبد۔ فقیر
عبدالغنی"۔[5]

حافظ عبدالغنی (2013ء......1925ء)، میاں محمد شفیع کے داماد تھے جو سکول ٹیچر رہے[6]۔ یہ تحریر انھی کی ہو سکتی ہے۔ کیوں کہ میاں محمد شفیع کے قریب قریب جاننے والوں میں ان کے داماد کا نام ہی عبدالغنی تھا۔ میاں محمد شفیع کے پوتے میاں مظہر جمیل کے مطابق حافظ عبدالغنی پنجابی شاعری کے بہت دِلدادہ تھے اور اپنے سُسر میاں محمد شفیع کے اشعار اپنی ذاتی بیاض میں بھی نوٹ کرتے تھے[7]۔ یہ بات اس رائے کو مزید تقویت دیتی ہے کہ اشتیاقِ حیدری کی اجتماعی جِلد کے خالی اوراق میں تحریر کردہ کلام حافظ عبدالغنی نے ہی کہیں سے نقل کیا ہے۔ "اشتیاقِ حیدری" کی یہ اجتماعی جِلد میاں محمد شفیع کی وفات کے بعد کسی کو نہیں دی گئی، اس بات کی تصدیق میاں عبدالرشید کر چکے ہیں۔ میاں محمد شفیع نے یہ کتاب یقیناً اپنی زندگی میں ہی حافظ عبدالغنی کو مطالعے کی غرض سے دی تھی۔ حافظ عبدالغنی نے نقل کیے گئے کلام کے ساتھ تاریخ درج نہیں کی۔ اور نہ ہی وہ اوراق جو انھیں امام مسجد پدھری نے دیے، میاں محمد شفیع کے ذاتی کتب خانے سے ملے ہیں۔ یہ بات بعید از امکان نہیں کہ حافظ عبدالغنی نے وہ اوراق تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھ لیے ہوں اور جو کلام "اشتیاقِ حیدری" میں شامل نہیں تھا وہ کتابچوں کی اجتماعی جِلد میں نقل کر دیا ہو۔ کلام کے آخر میں چوں کہ وہ خود اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ میاں سید محمد چشتی ولی اللہ تھے۔ اس لیے یہ مان لینے کو جی چاہتا ہے کہ ایک بزرگ اور پھر اپنے ہی خاندان کے بزرگ کا کلام

انھوں نے اپنے پاس یادگار کے طور پر رکھ لیا ہوگا۔ البتہ حافظ عبدالغنی کے پوتے توقیر حیدر ولد ممتاز حیدر سے اس حوالے سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ یہاں قابلِ ذکر بات یہ بھی ہے کہ تقریباً پینتیس سے چالیس برس کی عمر میں حافظ عبدالغنی ذہنی عارضے میں مبتلا ہوئے۔ ان کی یاداشت ضعیف ہوگئی اور ان کے مشاغل اور دلچسپیوں میں بھی اس بیماری کے بعد یکسر تبدیلی واقع ہوئی۔ اس لیے اس بات کا امکان نہیں رہتا کہ انھوں نے یہ کلام 1970ء کے بعد نقل کیا ہوگا۔ قوی امکان یہی ہے کہ یہ واقعہ 1970ء سے پہلے کا ہے کیوں کہ ''اشتیاقِ حیدری'' کی اجتماعی جِلد جولائی 1966ء میں عمل میں لائی گئی (جِلد کے اندر ایک کونے میں جِلد کیے جانے کا سال درج ہے)۔ ظاہر ہے جِلد کیے جانے کے بعد ہی اس میں شامل خالی اوراق پر کچھ لکھا گیا۔

رہی بات ان بوسیدہ اوراق کی جو امام مسجد پدھری نے حافظ عبدالغنی کو دیے، تو اس حوالے سے ''اشتیاق حیدری'' والی اجتماعی جِلد کے اندر ایک ورق پر حافظ عبدالغنی نے لکھا ہے کہ ان پر میاں محمد طیّب کا نام بطور کاتب تحریر ہے۔ جس سے یہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اوراق میاں محمد طیّب کے مرتب کردہ اس نسخے (کلام میاں سید محمد چشتی) کا حصہ ہوں گے جو ضائع ہوگیا تھا۔

میاں سید محمد چشتی کے مذکورہ غیر مطبوعہ کلام پر اتنی طویل بحث اس لیے کی گئی ہے تا کہ اس کلام کی اصلیت سے متعلق کسی محقق کے ذہن میں ابھرنے والے ممکنہ سوالوں کا جواب دیا جا سکے۔ اس کلام میں شامل دو بند ایسے ہیں کہ جن میں شاعر نے مستقبل کے حوالے سے کچھ پیش گوئیاں کی ہیں جو بہت واضح اور کسی بھی طرح کے ابہام سے پاک ہیں۔ گزشتہ اوراق میں ان کا تذکرہ (خوارق وکرامات) کیا جا چکا ہے۔ ان اشعار کے حوالے سے کئی طرح کے سوالات جنم لیتے ہیں کہ کیا یہ کلام واقعی

میاں سید محمد چشتی کا ہے؟ یا پھر کسی عقیدت مند نے میاں سید محمد چشتی کو قدرت کا ایک خاص کرشمہ ثابت کرنے کی غرض سے یہ اشعار تخلیق کر کے ان کے نام کے ساتھ منسوب کر دیے ہیں؟ الحاقی اشعار جیسے حادثات تو پنجابی اور اُردو ادب میں پہلے بھی رونما ہو چکے ہیں۔ اس بات میں شبہ نہیں کہ میاں سید محمد چشتی ایک باشرع صوفی اور سچے سالکِ راہِ حقیقت تھے۔ لیکن کوئی عقیدت مند (جو اُن کے کلام کو مرتب کرنا چاہتا ہو) اپنی طرف سے یہ اشعار شامل کر سکتا ہے۔ جس کے پس منظر میں عقیدت بھی ہو سکتی ہے اور شہرت کی خواہش بھی۔ میاں سید محمد چشتی نے ایک مصرعے میں پیش گوئی کی ہے:

بعد صدی دے سیدؔ نے فیر جیوناں، موت لکھیا نہیں کر بے کار سکدی

یا پھر یہ کہ

ن: نام نشان مِٹ جاوندے نیں، پر ربّ میں تے انعام کرسی
میری آل وچوں کوئی مرد صالح، میرے شعر محفوظ تمام کرسی
اللہ اُس نوں رحمتوں بہوں دیسی، نالے فقر دے اُس تائیں دان کرسی
تعلق دار کوئی اُس دی آل دا فیر، میری ذات تائیں احسان کرسی
دَھن واد نے اُس جوان تائیں، گمنام دا جگ وِچ نام کرسی
سیدنؔ اُس تائیں دِلوں دعا کردا، اُس دے نام نوں جگت سلام کرسی

میاں سید محمد چشتی کی بزرگی اور درویشی پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ان کی کرامت کو جھٹلانا مقصود ہے۔ ان کے خیالات اور افکار اس بات کے غماز ہیں کہ وہ ایک باعمل اور برگزیدہ صوفی بزرگ تھے۔ لیکن تحقیق کا بنیادی اصول یہ ہے کہ تمام امکانات پر نظر رکھی جائے تا کہ اصل حقیقت کا کھوج لگایا جا سکے۔

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ میاں سید محمد چشتی کے پوتے میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی نے ان اشعار کو کیوں قلم بند نہیں کیا؟ کیا یہ اشعار ان کی نظر سے نہیں

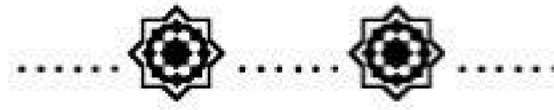
گزرے؟ یا اُن کی درویش صفتی میاں سید محمد چشتی کے ان اشعار کا چرچا کرنے میں آڑے آئی؟ کیوں کہ ان اشعار میں میاں محمد شفیع کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ ''اشتیاقِ حیدری'' میاں محمد شفیع کی ذاتی بیاض نہیں تھی، اس لیے ممکن ہے کہ اپنی لائبریری میں شامل کئی سو کتابوں میں سے اس ایک کے اِدھر اُدھر ہو جانے کا انھیں علم نہ ہوا ہو۔ اور مختلف کتابچوں پر مشتمل یہ جلد اُن کے داماد حافظ عبدالغنی کے پاس رہی ہو جو خود ذہنی عارضے میں مبتلا رہے اور بھول گئے۔ قوی امکان یہی ہے کہ یہ کتاب میاں محمد شفیع کی وفات کے بعد ان کے گھر واپس پہنچی، اور اگر ان کی زندگی میں ہی انھیں لوٹائی گئی تو شاید انھیں دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ اس بات کا تو راقم بھی شاہد ہے کہ میاں محمد شفیع کی کئی قلمی بیاضیں جو ان کی زندگی میں ان کے احباب لے کر گئے، ابھی تک وقتاً فوقتاً واپس مل رہی ہیں۔ اگر میاں محمد شفیع ان اشعار سے نظر شناس ہوتے تو اپنے دادا کے دیگر کلام کے ساتھ ان اشعار کو بھی ضرور قلم بند کرتے۔

میاں سید محمد چشتی کے پوتے میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی ایک صوفی درویش تھے۔ ان کی شخصیت میں شہرت پسندی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے کلام کی اشاعت کے لیے نہ کبھی کوشش کی اور نہ ہی چاہت۔ وہ ایک بیاض میں اپنی سی حرفیوں سے متعلق لکھتے ہیں:

> ''یہ سی حرفیاں جو میں نے وقتاً فوقتاً اپنی عقیدت کے اظہار میں تحریر کی ہیں۔ ان کو بغرض اشاعت تحریر کرنے کا کبھی خیال تک بھی نہیں آیا''۔[8]

اس لیے میاں محمد شفیع جیسے درویش صفت انسان سے ایسی توقع نہیں کی جا سکتی اور بظاہر ایسی کوئی ضرورت بھی نظر نہیں آتی کہ وہ ایسے اشعار تخلیق کر کے اپنے دادا کی بزرگی ثابت کریں گے۔ رہی بات حافظ عبدالغنی کی تو وہ شاعری کے دلدادہ ضرور تھے لیکن شاعر نہیں تھے۔ لہٰذا یہ امر بھی بعید از قیاس ہے کہ یہ اشعار حافظ عبدالغنی

کی تخلیق ہیں۔ یہ اشعار ان کے ہاتھ کی تحریر تو ہو سکتے ہیں لیکن اُن کی تخلیق نہیں ہو سکتے۔ اگر یہ کلام واقعی میاں سید محمد چشتی کا ہے اور امکانات بھی یہی ہیں کہ یہ کلام انھی کا ہے، تو ایسے میں میاں سید محمد چشتی کا کلام ان کی وفات سے ایک صدی بعد منظرِ عام پر لانے کی سعادت راقم کو حاصل ہے۔



حواشی

1۔ میاں محمد طیّب، میاں سید محمد چشتی کے بھائی میاں غلام مصطفیٰ کے صاحبزادے تھے، جنھوں نے سب سے پہلے میاں سید محمد چشتی کے کلام کو تحریری صورت میں محفوظ کیا۔ میاں محمد طیّب نے یہ کام اپنے تایا میاں سید محمد چشتی کی زندگی میں ہی کیا تھا۔ جو بعد ازاں کسی وجہ سے محفوظ نہ رہ سکا۔

2۔ اختر ڈھانگروی، میاں محمد شفیع، دیباچہ: اشتیاق حیدری (مطبوعہ)، سیٹھ آدم جی عبداللہ اینڈ کمپنی پبلشرز بمبئی والے، نولکھا بازار، لاہور، 1940ء، ص:4

3۔ اختر ڈھانگروی، میاں محمد شفیع (مرتب)، ''گنجِ سید محمد چشتی''، مشمولہ ارمغانِ چشتی (قلمی نسخہ)، 1961ء، مملوکہ میاں عبدالرشید، ص:58

4۔ اختر ڈھانگروی، میاں محمد شفیع، دیباچہ: اشتیاق حیدری (مطبوعہ)، ص:3

5۔ اشتیاق حیدری (اجتماعی جلد)، قلمی تحریر بدست حافظ عبدالغنی

6۔ انٹرویو: پوتا حافظ عبدالغنی، توقیر حیدر ولد ممتاز حیدر، بتاریخ 18 دسمبر، 2016ء

7۔ انٹرویو: میاں مظہر جمیل ولد میاں عبدالرشید، بھارا کہو، بتاریخ 20 دسمبر، 2016ء

8۔ اختر ڈھانگروی، میاں محمد شفیع، ارمغانِ اختر (قلمی نسخہ)، ص:1960ء، مملوکہ میاں عبدالرشید، ص:11



[۳]

میاں سید محمد چشتی کی شاعری

﴿الف: موضوعی و فکری جائزہ﴾

پنجابی شاعری کا مزاج ہمیشہ سے صوفیانہ رہا ہے۔ دیگر مختلف اصناف کے ساتھ ساتھ اگر سی حرفی کی روایت پر بھی طائرانہ نظر ڈالی جائے تو خاص موضوع تصوف و عشق ہی نظر آتا ہے۔ وضاحت کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ سی حرفی ہمیشہ سے توحید، رسالت، مرشد سے عقیدت و محبت، گناہوں سے توبہ، آخرت کی فکر، اخلاقیات، عشق حقیقی، ہجر و فراق اور پند و نصائح کا بیانیہ رہی ہے۔ اور یہ تمام موضوعات تصوف سے الگ نہیں کیے جا سکتے۔ میاں سید محمد چشتی کی شاعری کا مزاج بھی روایتی ہے۔ ان کی سی حرفیوں کا موضوعی اور فکری جائزہ لینے سے پہلے، عام قارئین کے لیے یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ سی حرفی کیا ہے؟

☆ **سی حرفی کا لغوی و اصطلاحی مفہوم:**

پنجابی شعری ادب بہت سی خوبصورت اصناف سے مزین ہے۔ انھی میں سے ایک ''سی حرفی'' بھی ہے۔ سی حرفی دو الفاظ ''سی'' اور ''حرفی'' کا مرکب ہے۔ ان میں اوّل الذکر فارسی جب کہ آخر الذکر عربی سے تعلق رکھتا ہے۔ ''سی'' تیس (۳۰)

کے معنی دیتا ہے اور ''حرف'' سے مراد حروف تہجی کے حروف ہیں۔ میاں ظفر مقبول سی حرفی کی تعریف یوں کرتے ہیں:

> ''سی فارسی زبان کا لفظ ہے جو تیں کے معنی دیتا ہے جیسے ''سی پارہ''۔۔ مراد ہے قرآن مجید کا تیسواں حصہ۔۔ سی حرفی یعنی تیس حرفوں والی۔ تیس کو عربی میں ثلاثون کہتے ہیں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ عربی کے حروف تہجی یا پٹی یا ابجد کی تعداد ۲۹ ہے لیکن ۳۰ بنا لی گئی ہے اور اس کی نسبت سے اسے سی حرفی کہا جاتا ہے''۔[1]

پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی کے مطابق:

> ''سی حرفی دا مطلب ہے تریہاں حرفاں والی نظم۔ حرفاں دے مطابق ایہدے تریہہ بند ہوندے نیں تے ہر بند دے پہلے مصرعے دا پہلا اکھر ابجد[تہجی] دے حساب نال ترتیب وار آوندا اے''۔[2]

یہاں یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ سی حرفی عربی حروف تہجی کی بنیاد پر لکھی گئی اس نظم کو کہتے ہیں جس کے تیس بند ہوتے ہیں۔ عربی کے 29 حروف تہجی ہیں۔ ''ہمزہ'' کی جگہ زیادہ تر شاعروں نے ''الف'' اور ''لا'' کا اضافہ کیا ہے اور کچھ نے ''الف'' کے ساتھ ''یے'' کا اضافہ کر کے تیس حروف پورے کیے ہیں۔ لیکن سی حرفی کا کوئی واضح اصول متعین نہیں ہے۔ نہ تو یہ ضروری ہے کہ تیس ہی بند ہونے چاہئیں اور نہ ہی بند میں شامل مصرعوں کی تعداد متعین ہے۔ کہیں کہیں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ سی حرفی میں چار مصرعوں کے بند ہوتے ہیں لیکن کچھ بند چار مصرعوں سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں۔ شاعر کے مزاج پر منحصر ہے۔ جی چاہے تو ایک حرف کے کئی کئی بند لکھ دے اور ایک بند میں کئی کئی مصرعے ڈال دے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر نوید شہزاد لکھتے ہیں:

''سی حرفی پنجابی شاعری دی اک مشہور صنف اے جیہدا مطلب اے تیہاں حرفاں والی نظم۔حرفاں دے مطابق ایہدے تیہہ بند ہوندے نیں۔ ایہہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر حرف دے حوالے نال صرف اک ای بند ہووے کئی سی حرفیاں وِچ اک حرف دے دو دو تن تن بند وی موجود نیں۔ تے ناں ای ایہہ ضروری اے کہ سی حرفی دے پورے تیہہ بند ای ہون''۔[3]

سی حرفیاں ہیئت کے اعتبار سے مربع، مسدس اور مسمط کی صورتوں میں بھی ملتی ہیں۔سی حرفی میں بحر، قافیہ اور ردیف کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ ہر بند میں مختلف قوافی اور ردائف استعمال کیے جا سکتے ہیں لیکن ایک بند میں قافیہ اور ردیف کا التزام ضروری ہے۔سی حرفی کسی بھی بحر میں ہو سکتی ہے۔البتہ ایک سی حرفی شروع سے آخر تک ایک ہی بحر میں ہوتی ہے۔ پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی کی اس تعریف سے سی حرفی کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے:

''یہ نظم کی وہ قسم ہے جس میں ''الف سے ی'' تک ایک ایک حرف شروع کر کے مصرعے یا بند لکھے جاتے ہیں، جو عموماً بحر طویل میں ہوتے ہیں۔ پرانے شعراء میں سے اکثر کا کلام اسی صنف میں ملتا ہے۔سی حرفیوں میں نہ صرف عشقیہ اور متصوفانہ دونوں قسم کے مضامین بیان کیے جاتے ہیں بلکہ اس میں دوسرے موضوعات کے ساتھ بھی طبع آزمائی کی جاتی ہے بعض شعراء نے یہ صنف جنگ نامے، نعت اور داستان کے لیے بھی استعمال کی ہے''۔[4]

تقریباً تمام محققین اس بات پر متفق ہیں کہ سی حرفی خالص پنجابی صنف ہے اور اس کی ابتدا حضرت سلطان باہوؒ نے کی۔ پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی کے مطابق

''حضرت سلطان باہو سے پہلے سی حرفی کا کوئی وجود نہیں تھا اور اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ سی حرفی کے بانی حضرت سلطان باہو ہیں''۔[5]

ڈاکٹر انعام الحق جاوید بھی حضرت سلطان باہو کو سی حرفی کا پہلا شاعر تسلیم کرتے ہیں ان کے مطابق ''حضرت سلطان باہو کلاسیکی دور کے ایک اہم صوفی شاعر تھے جنھوں نے شریعت اور طریقت کو ایک ساتھ نبھایا اور پنجابی ادب کو سی حرفی کی صنف سے متعارف کرایا''۔[6]

سی حرفی کی ابتدائی صورتیں باون اکھری (باون حرفی) اور پینتی اکھری (پینتی حرفی) کے طور پر ملتی ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ پنجابی میں حروف تہجی کے ذریعے شاعری کا آغاز بابا گرونانک (1469ء......1539ء) نے کیا۔انھوں نے ''پینتی اکھریاں'' لکھیں جو گرو گرنتھ میں شامل ہیں۔باون اکھریاں گرو ارجن دیو اور بھگت کبیر نے سب سے پہلے لکھیں لیکن وہ سنسکرت میں ہیں۔ان کی نہ تو زبان پنجابی ہے اور نہ ہی رسم الخط۔اسی طرح ''سینتی حرفی (۳۷حرفی)'' کے بانی سائیں مولا شاہؒ ہیں۔بابا گرونانک پینتی اکھری کے پہلے شاعر تو تسلیم کیے جا سکتے ہیں لیکن سی حرفی کے پہلے شاعر حضرت سلطان باہوؒ ہی ہیں۔ہاں، اگر پینتی اکھری (۳۵حرفی) کو عرفی اعتبار سے سی حرفی تسلیم کر لیا جائے تو پھر بابا گرونانک ہی سی حرفی کے ابتدائی شاعر کہلائیں گے۔لیکن اصولی طور پر پینتی حرفی الگ اور سی حرفی الگ ہیں۔

حروف تہجی کے اعتبار سے شاعری کا آغاز بابا گرونانک نے کیا جسے سی حرفی کی صورت میں حضرت سلطان باہوؒ نے رفعتیں عطا کیں۔ان کے بعد سی حرفی پنجابی شعرا کی من پسند صنف بن گئی۔حضرت باہوؒ کے بعد تقریباً ہر صوفی شاعر نے سی حرفی کو اپنے اظہار کا ذریعہ بنایا۔میاں سید محمد چشتی سی حرفی کی اسی عظیم روایت میں ایک اہم اضافہ ہیں۔

میاں سید محمد چشتی کی سی حرفیوں کا مزاج صوفیانہ روایت کا آئینہ دار ہے۔ان کی دستیاب سی حرفیوں اور متفرق ابیات میں روایتی موضوعات مشاہدہ کیے جا سکتے ہیں۔بحیثیت مجموعی،ان کا کلام اپنے مرشد کی مدح وتوصیف پر مشتمل ہے۔لیکن ساتھ کئی دوسرے مضامین بھی بیان کیے گئے جو میاں سید محمد چشتی کی شخصیت اور فکر کے عکاس ہیں۔میاں سید محمد چشتی نے جن اہم موضوعات پر سخن سنجی کی ہے، ان کا مختصر جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

1۔ عشق حقیقی (حمد وثنا):

رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"کسی کو تعریف کرنا اتنا پسند نہیں ہے جتنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے (کیونکہ وہ لائق ہے تعریف کے اور سب میں عیب موجود ہیں تو تعریف کے لائق نہیں ہیں) اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی خود تعریف کی اور کوئی خدا سے زیادہ غیرت مند نہیں ہے اسی وجہ سے اس نے بدکاریوں کو حرام کیا چھپی ہوں یا کھلی"۔[7]

رب کائنات کی تعریف کا مفہوم اس کی کامل صفات اور اعلیٰ اوصاف کے ساتھ ثنا کرنا ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی حمد کے ساتھ ثنا کی ہے۔اور قرآن مجید فرقانِ حمید کی ابتدا بھی انھی کلمات سے ہوتی ہے:

"الحمدُ للله ربّ العالمین"۔

"ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے"۔[الفاتحہ:2]

انسان کے پیدا کیے جانے کا مقصد ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔عبادت دراصل اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہی ہے۔اللہ تعالیٰ سے محبت اور عشق کا دعویٰ اس وقت تک

ادھورا ہے جب تک عملی طور پر اپنے خالق حقیقی کی حمد وثنا نہ کی جائے۔ حمد وثنا عشق الٰہی کی بنیاد ہے۔ اور عشقِ الٰہی اسلامی تصوف کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے عشق ہی اصل عشق ہے۔ اور عشق کے بغیر کوئی عاشق یا سالک اپنی منزل، اپنے حقیقی محبوب و مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیے بغیر مسلمان خود کو مسلمان نہیں کہہ سکتا۔ اللہ واحد اور لاشریک ہے۔ یہ تمام کائنات اُسی کی تخلیق ہے۔ وہ ہر شے کا خالق، مالک اور رازق ہے۔ میاں سید محمد چشتی نے خالقِ حقیقی کی حمد وثنا بہت خوب صورت پیرائے میں کی ہے:

الف: اللہ دے ہتھ وِچ کھیڈ ساری، آکھے کُن تے کرے جہان سارے
اوہا مالک ازل توں ہر شے دا، اوہدی مِلک نیں زِمیں اَسمان سارے
عاشق اُس دی ذات دے سب سچے، کیتے قول ہمیش نبھان سارے
کراں دَم دَم پاس انفاس سیدنؔ، رکھاں رب وَل میں اوسان سارے

[8]

قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

''ترجمہ: اور جو ایمان لائے اللہ کے لیے ان کی محبت شدید ہے''۔[البقرہ:165]

شدید محبت ہی کو عشق کہتے اور یہی اولیاء اللہ کی پہچان ہے۔ حقیقی عشق، اللہ تعالیٰ، اس کی صفات اور افعال کا عشق ہے۔ خدا کا خالص اور حقیقی عشق اس وقت عشقِ محسوب ہوتا ہے، جب یہ عشق بہشت کی لالچ اور جہنم کے خوف سے نہ ہو، بلکہ صرف خالق حقیقی کے جمال و کمال کے تصور میں ہو۔ کمالِ عشق یہ ہے کہ تمام دل اللہ تعالیٰ سے متعلق ہو جائے اور انسان کی جان غیر خدا سے مکمل طور پر پاک ہو جائے۔

صوفیا کے نزدیک عشقِ الٰہی ہی راز حیات ہے۔ اگر اس کی آگ دل میں نہ ہو تو وہ گوشت کا ایک بے جان ٹکڑا ہے اور اگر اس میں حرارت ہو تو انوار الٰہیہ کا محل

ہے۔شبلی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ''وادیٔ عشق کے مسافر کی قلبی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اسے ایک لمحہ بھی اللہ کے بغیر چین نہیں ملتا'' اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ ''فقیر سوائے ذات حق کے کسی چیز سے آرام نہیں پاتا''۔عشقِ الٰہی، پنجابی شاعری کا ہمیشہ سے خاص مضمون رہا ہے۔کسی اور زبان میں اس مضمون پر مشکل ہی سے پنجابی کے ہم پلہ اشعار ملیں گے۔بالخصوص بزرگ صوفیا نے اس موضوع پر جو اشعار کہے ہیں، وہ اپنی مثال آپ ہیں۔حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں:

عشق دی بھاء ہڈاں دا بالن عاشق بیٹھ سکیندے ہُو
گھت کے جان جگر وِچ آرا، ویکھ کباب تلیندے ہُو
سرگردان پھرن ہر ویلے خون جگر دا پیندے ہُو
ہوئے ہزاراں عاشق باہوؔ، پر عشق نصیب کہیندے ہُو
[9]

میاں سید محمد چشتی بھی دوسرے صوفیا کی طرح عشق کو تصوف وسلوک اور عاشق کو صوفی وسالک تصور کرتے ہیں۔ان کے نزدیک بھی عشق کا سفر بہت کٹھن ہے:

ک: کون جانے رَستے عشق والے، منزلاں بھاریاں تے پینڈے دُور یارا
جنہاں عشق دے وِچ میدان دِتے، کر گئے اپنے آپ نوں چُور یارا
گھوڑا ذوق دا پِیڑھ تیار ہوئیاں، طرفے ماہی دے جاناں ضرور یارا
حیدر شاہؒ جی دے قدمیں ڈِگے سیدنؔ، بھاویں کرن نہ کرن منظور یارا
[10]

اللہ تعالیٰ کی ذات بندے کے تمام افعال کی خالق ہے۔کائنات کے تمام امور کا خالق وہی ہے۔وہی رازق ہے۔اس تمام کائنات پر مکمل اختیار اسی ذاتِ واحد کو حاصل ہے۔جو چاہتا ہے کرتا ہے۔وہ بے نیاز ہے۔اللہ تعالیٰ کی صفات کے پیشِ نظر میاں سید محمد چشتی حمد وثنا بیان کرتے ہیں:

ث: ثابتی نال تحقیق جانی، اللہ بے پروا کہاوندا اے
بجن باپ دے کرے فرزند پیدا، روزی پتھراں وِچ پُچاوندا اے
ہِکناں سَد کوہ طور تے کرے گلاں، ہِکناں نیل دے وِچ رہڑاوندا اے
ہِکنا چخے اندر رکھے سیدنا او، رَتی اونہاں نوں داغ نہ لاوندا اے
[11]

ض: ضرور ناہیں اُس ڈاڈھڑے نوں جو چاہوندا سوئی بناوندا ای
بادشاہتوں پکڑ کے قید کردا، پنن والڑے تخت بہاوندا ای
جھڑیاں وِچ دریاواں دے کرن موجاں، پلے وِچ بازار منگاوندا ای
سیدن اوہ ہے لاشریک صاحب، آکھا اُس دا کون بھنواوندا ای
[12]

2۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا، آپ کی عظمت کو دل میں بسانا، آپ کی محبت سے دل کو معمور کرنا اور آپ کے عشق میں سرمست رہنا دین اسلام کی بنیادوں میں سے ایک اہم بنیاد ہے۔ جس کے بغیر ایمان میں کمال پیدا نہیں ہوسکتا اور تقرب وولایت کا مقام حاصل نہیں ہوسکتا۔ رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تم میں سے کوئی بھی (اس وقت تک) ایماندار (پکا مومن) نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کے والد (والدین) اور اولاد (اور تمام لوگوں) سے بھی زیادہ اس کا محبوب نہ بن جاؤں"۔[13]

صوفیا کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک مخفی و پوشیدہ تھی پھر ذات کے اندر ایک جذبہ پیدا ہوا کہ میں پہچانا جاؤں مگر یہ چاہت اور جذبہ اس شدت سے ظہور پذیر ہوا کہ صوفیا کرام نے اسے عشق سے تعبیر کیا۔ اسی جذبہ عشق میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے "نورِ احمدی" کو جدا کیا اور پھر نورِ احمدی سے تمام مخلوقات کی ارواح تخلیق

ہوئیں۔ جیسا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے کہ "میں اللہ تعالیٰ کے نور سے ہوں اور تمام مخلوق میرے نور سے ہے"۔ اسی ضمن میں میاں سید محمد چشتی کہتے ہیں:

خ: خواہش سرکار نوں جدن ہوئی، کُن آکھنے نال جہان کیتا
کیتا اپنے نور تھیں آپ نبیؐ، وِچ دوہیں جہانیں سلطان کیتا
منّو مومنوں دین رسولؐ والا، جھنڈا جس دا لال نشان کیتا
سیدنؔ اُس دربار دا منگتا میں، جس لئی ربّ زِمیں اَسمان کیتا
[14]

یعنی پہلے ربِّ کائنات نے اپنے محبوبؐ سے خود عشق کیا جس کا نتیجہ یہ تمام جہان ہے۔ اس حوالے سے سیّد وارث شاہؒ کے اشعار ملاحظہ ہوں:

اوّل حمد خدائے دا وِرد کیجے، عشق کیتا سُو جگ دا مُول میاں
پہلے آپ ہی ربّ نے عشق کیتا، معشوق ہے نبی رسولؐ میاں
عشق پیر فقیر دا مرتبہ اے، مرد عشق دا بھلا رَنجول میاں
کھِلے تنہاں دے باغ قلوب اندر، جنہاں کیتا اے عشق قبول میاں
[15]

نبی کریمؐ وجہِ تخلیق کائنات ہیں۔ یہ تمام کائنات اس لیے تخلیق کی گئی کیوں کہ ربّ کائنات کو اپنے محبوب کا ظہور مقصود تھا۔ میاں سید محمد چشتی انھی نظریات کا پرچار کرتے دکھائی دیتے ہیں:

الف: اللہ دے اسم نوں جگ جانے، کُن کہیا تے زِمیں اسمان ہوئے
جان نبی رسول کریم تائیں، وِچ دوہیں جہانیں سلطان ہوئے
جنہاں نبیؐ دے اسم دا جام پیتا، اوہ بھی اُمتاں وِچ نشان ہوئے
جنہاں موڑیا مُکھ نبیؐ وَلوں، اوہ تے سیدنؔا خاص شیطان ہوئے
[16]

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک صوفی کے لیے اتنا ہی ضروری ہے، جتنا کہ زندگی کے لیے ہوا، پانی اور خوراک ضروری ہیں۔ تصوف کے تین درجات فنا فی الشیخ، فنا فی الرّسول اور فنا فی اللہ ہیں۔ فنا فی الرّسول کے بغیر فنا فی اللہ تک پہنچنا ناممکن ہے۔ حضورِ اکرمؐ کی اتباع اور ان پر ایمان کے بغیر نہ تو روزِ حشر نجات ممکن ہے اور نہ ہی قربِ الٰہی کے راستے کھل سکتے ہیں۔ ربّ کائنات سے محبت ثابت کرنے سے پہلے، اس کے محبوب سے محبت ثابت کرنا پڑتی ہے۔ میاں سید محمد چشتی بھی عشقِ رسولؐ سے سرشار دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے ہاں خاص بات یہ ہے کہ عشق حقیقی کو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات تک محدود نہیں رکھتے۔ ان کے ہاں عشقِ حقیقی کی تفہیم عشقِ الٰہی، عشقِ رسولؐ اور مرشد سے عشق کی صورت میں بیان ہوئی ہے۔ میاں سید محمد چشتی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا بیان بہت احسن پیرائے میں کیا ہے:

ب: بہوں وڈیائیا رب سچے، جیں دا نور ظہور مشہور ہویا
سبھناں انبیاں دا سرتاج نبیؐ، جیں دے لئی بیت المعمور ہویا
ترے سَے سَٹھ مرسل ہور نبی سارے، سرور جیہا نہ کوئی مشہور ہویا
لگی پریت نوں تروڑ نہ مُول سیدن، جہڑا خاص جناب منظور ہویا
[17]

میاں سید محمد چشتی ایک سچے عاشق رسولؐ تھے۔ ایک عاشق کو اپنے محبوب کے دیدار کی کس قدر خواہش ہوسکتی ہے، شاید لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ صحابۂ کرام کے بعد تابعین، تبع تابعین سے لے کر اولیا اور صوفیا، سبھی کی زندگیاں عشق رسولؐ سے سرشار تھیں۔ اسلامی تصوف میں عشقِ رسول کے بغیر ذات الٰہی تک رسائی ممکن نہیں:

ط: طلب مینوں وفادار والی، مینوں آیا آواز سرکار والا
شاہرگ تھیں جان نزدیک تیرے، ربّا میل محبوب دلدار والا

جلوہ پیراں دے پیر دا دَس مینوں، نالے دَس مکھڑا محرم یار والا
جَیں دا نام رسولؐ مقبول سیدنؔ، جھنڈا دَس توں اُس دربار والا
[18]

3۔ مرشد کی مدح:

فنا فی الشیخ، تصوف کا بنیادی درجہ ہے۔ مرشد ایک ہادی و رہبر ہونے کی حیثیت سے اپنے مرید یا سالکِ راہِ طریقت کی رہنمائی کرتا ہے۔ مرشد کے بغیر سلوک کی منازل طے کرنا ناممکن ہے۔ اگر مرشد کامل مل جائے تو تمام منازل آسان ہو جاتی ہیں اور سالک کے بھٹکنے کا اندیشہ نہیں رہتا۔ کامل مرشد کی خصوصیات حضرت سلطان باہوؒ کی زبانی ملاحظہ ہوں:

کامل مرشد ایسا ہووے جیہڑا دھوبی وانگوں چھٹے ہُو
نال نگاہ دے پاک کریندا وِچ سجی صبون نہ گھتے ہُو
میلیاں نوں کر دیندا چِٹا وِچ ذرّہ میل نہ رکھے ہُو
ایسا مرشد ہووے باہو، جیہڑا لُوں لُوں دے وِچ وَسّے ہُو
[19]

میاں سید محمد چشتی کی شاعری کا مجموعی طور پر جائزہ لیا جائے تو ان کا زیادہ تر کلام مرشد کی مدح ومنقبت پر مشتمل ہے۔ وہ اپنے مرشد سے بے پناہ محبت وعقیدت رکھتے تھے اور ایک سالکِ راہِ طریقت ہونے کی حیثیت سے مرشد کی اہمیت سے بھی بخوبی واقف تھے۔ اسی محبت وعقیدت کا اظہار اُن کے اشعار میں جا بجا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے:

ث: ثابتی نال تحقیق جانی، میرا پِیر ہے پیراں دا پِیر سائیں
عاصی آ ڈِگا دربار تیرے، کرو معاف میری تقصیر سائیں
ایسا پِیر یارو لوہا کرے سونا، خاصاں سمجھیا خاص اکسیر سائیں
ایسے ویکھ چالے سیدنؔ پِیر والے، کردے دُوتیاں دے سینے چِیر سائیں
[20]

خ: خمر مِٹھا میرے پیر والا، جنہاں چکھیا سوئی نہال ہوئے
چُھری عشق حقیقی دی رکھ گردن، اَگے سوہنے دے جا حلال ہوئے
اونہاں دوہاں جہاناں دی لوڑ ناہیں، جنہاں پیر دے خاص جمال ہوئے
جنہاں عشق والا چولا رنگیا ای، ویکھ سیدنا او خوش حال ہوئے
[21]

ز: زور نہ چلدے دُوتیاں دے، جتھے پیر میرا مہربان ہووے
توڑے لکھ بخیلیاں کرن یارو، رَتی اُس دا نہ نقصان ہووے
جو کوئی پیر دا اسم پکاوندا ای، اوہ بھی وِچ میدان جوان ہووے
جس تے مہر تے کرم دی نظر پاون، سیدن اُس تے وڈا احسان ہووے
[22]

4۔ مخفیاتِ تصوف و عشق:

یوں تو عشق الٰہی، عشق رسولؐ اور مرشد سے عشق و محبت بھی تصوف ہی کا حصہ ہیں۔ لیکن یہاں ان خاص مضامین اور خیالات کا تذکرہ کیا جانا مقصود ہے جن کا تعلق تصوف کے باطنی معاملات سے ہے۔ میاں سید محمد چشتی، چشتیہ سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی لیے ان پر چشتی نظریات کا واضح طور سے اثر دیکھا جا سکتا ہے۔ انھوں نے اپنے پیش رؤں سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کی۔ لیکن ایک خاص بات ضرور ہے کہ انھوں نے دوسرے صوفی شعرا کے برعکس اپنے تجربات اور احساسات بڑے آزادانہ انداز میں بیان کیے ہیں۔ کہیں کہیں تو انھوں نے بلھے شاہؒ جیسی بے باکی کا مظاہرہ بھی کیا ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ منازلِ سلوک میں پیش آنے والی مشکلات کا صوفی شعرا نے اشاروں کنایوں میں اظہار کیا ہے۔ لیکن میاں سید محمد چشتی کے ہاں اظہار زیادہ کھلے لفظوں میں ہوا ہے:

ع: عجب جہان میں آ پھَسیا، دَسو راہ مینوں برا حال میرا
دُھندکار غبار ہے ہر پاسے، ہویا اس مقام اِک سال میرا

پہلا عشق اللہ، دُوجا عشق نبی، تیجا عشق مرشد دے نال میرا
راہ لان والا مینوں راہ لاوے، کرے سیدنا دُور وبال میرا
[23]

ایک صوفی یا سالک، ذاتِ ازل تک رسائی کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ یہ عشق ہی ہے جو اسے محبوب حقیقی کی یاد سے غافل نہیں ہونے دیتا اور وہ اپنے مقصود و محبوب کی ایک جھلک پانے کے لیے بے قرار رہتا ہے۔ ذاتِ ازل تک رسائی کے لیے میاں سید محمد چشتی کی تڑپ اور جستجو کا کیا عالم ہے؟ ملاحظہ ہو:

ل: لوڑ نہ دولتاں دنیا دی، بہتا سوہنیاں دا دیدار مینوں
جلوے جگت والے سبھے جان فانی، جلوہ ازلی اِک درکار مینوں
پھاتا وِچ منجدھار دے میں مرشد، پھڑو ہتھ تے لاؤ چا پار مینوں
منزل سیدنا دُور نہ رہی میری، ہکو دید دی راہ دشوار مینوں
[24]

صوفیا کے عقیدے کے مطابق عشق کے بغیر دنیا کا نظام نہیں چل سکتا۔ دینی اور دنیاوی لحاظ سے عشق زندگی کی ضرورت ہے۔ خدا تک پہنچنے کی خاطر صوفیا جذبہ عشق کو اپنا رہنما بناتے ہیں۔ عشق کی حرارت کے بغیر نظامِ کائنات کا چلنا محال ہے۔ عشق اور تصوف، ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ صوفیا عشق کی سخت ریاضت پر بہت زور دیتے ہیں۔ عشق کی سختیاں برداشت کرنا ان کے لیے ضروری ہے۔ عشق میں صوفیا کی ہڈیاں جل جاتی ہیں، دل پگھل جاتے ہیں، بجلیاں کوندتی ہیں۔ ان سختیوں کے بغیر عشق الٰہی ناممکن ہے۔ عشق ہی تصوف کی بھٹی ہے جہاں سے انسان پاک وصاف ہو کر نکلتا ہے۔ میاں سید محمد چشتی بھی عشق کی عظمت کے قائل ہیں۔ اس وادی میں عاشق کو جو مشکل مراحل پیش آتے ہیں، وہ اُن کی سختیوں کا احوال بھی بیان کرتے ہیں:

ع: عشق دا ہاڑ دریا ڈونگھا، جتھے لکھ عاشق غوطے کھاوندے نی
اونہاں پار اُرار دی سار ناہیں، نہ کوئی کشتی ملاح بلاوندے نی
اوہ تاں ٹھِل پئے بحر عمیق اندر، مکھڑا یار دا تُلا بناوندے نی
کردے حرص ہوا نوں دور سیدنؔ، شوق نبی رسولؐ دا چاہوندے نی
[25]

و: ویکھ تماشڑا عشق والا، کیہ کجھ عاشقاں نال برتایا سو
پکڑ شیخ منصور نوں دِتا سُولی، فِر چخے دے وِچ جلایا سو
سسّی سڑ مویا پنوں ہوت پچھے، پورن جیہاں نوں کھُو پوایا سو
رانجھا سید محمداؔ ہو جوگی، پچھے ہیر دے چاک سدایا سو
[26]

ز: زہر پیالڑا عشق والا، جس ساڑیا اُس کوہ طور تائیں
اناالحق دا وِرد پکاندیاں نوں، سُولی چاڑھیا شاہ منصور تائیں
وحی لے براق شتاب پُہتا، نبیؐ واریا بیت المعمور تائیں
کلمے پاک دا وِرد کما سیدنؔ، جھڑا کھڑے گا توڑ حضور تائیں
[27]

میاں سید محمد چشتی کی صوفیانہ فکر، عشق و خیال کے مختلف روپ بدلتی دکھائی دیتی ہے۔ ان کی زبان میں کبھی ہیر تو کبھی سسّی کا بلا لحاظ اثر آ جاتا ہے۔ وہ اس دنیا کو ''کھیڑے'' کے گھر سے تشبیہ دیتے ہیں جو ہیر کی محبت کے دشمن کا گھر ہے:

ھ: ہجر تیرے دی ماری میں، پئی سجے کھبے نسدی آں
گھر کھیڑیاں دے آ قید ہوئی، جیو مار کے میں پئی وَسدی آں
ہویا حال بے حال میں گیہ دَسّاں، کدے رووندی آں، کدے ہسدی آں
ہُن پیڑ کلیجڑے دی سیدنؔ، بیٹھی کندھاں نوں پئی دَسدی آں
[28]

5۔ وحدت الوجود:

صوفیا کے ہاں توحید کے حوالے سے دو طرح کے نظریات پائے جاتے ہیں۔ایک ''وحدت الوجود یا ہمہ اوست'' اور دوسرا ''وحدت الشہود یا ہمہ اَز اوست''۔ پہلا نظریہ ابن عربی کا اور دوسرا شیخ احمد سرہندی کا ہے۔نظریہ وحدت الوجود کے مطابق روح جز ہے اپنے کل کا، اور روح یا جز اپنے کل سے ملنے کے لیے سخت بے چین و مضطرب ہے۔جو کچھ اس دنیا میں نظر آتا ہے وہ خالق حقیقی کی ہی مختلف شکلیں ہیں اور خالق حقیقی کے وجود کا ایک حصہ ہیں۔

میاں سید محمد چشتی بھی وحدت الوجود کے قائل ہیں۔وجودی صوفیا کی طرح انھیں بھی ہر جگہ، ہر منظر میں ذاتِ باری کے جلوے دکھائی دیتے ہیں۔ ہر شے میں انھیں ایک ہی محبوب حقیقی کا روپ نظر آتا ہے:

الف: اک توہیں میرا دل جانی، ہر جا پیا مکھڑا دَسدا ایں
کدے پھُلاں وچ، کدے کنڈیاں وچ، کدے وِچ پتھراں دے وَسدا ایں
کدے سُراں دے وِچ پیا گاوندا ایں، کدے گھنگھرواں وِچ پیانچدا ایں
ہر شے وِچ دِسدا ایں سیدن نوں، ہر مکھڑے وِچ توں ہسدا ایں
[29]

ص: صورتاں وِچ معشوق میرا، جلوہ یار والا نظری آوندا ای
کدی باغ بہار گلزار ہووے، کدی بھور ہو کے پھیری پاوندا ای
کدی بنے ملنگ تے سواہ لاوے، کدی مولوی ہو سداوندا ای
کدی شیخ منصور ہو چڑھے سُولی، بھیت سیدنا کوئی نہ پاوندا ای
[30]

6۔ ذکر وتسبیحات:

ذکرِ الٰہی انوار کی کنجی ہے، بصیرت کا آغاز ہے اور جمال فطرت کا اقرار ہے۔ یہ حصولِ علم کا جال ہے۔ یہ تماشہ گاہِ ہستی کی جلوہ آرائیوں اور حسن آفرینیوں کا اقرار ہے۔ذاکر کے ذکر میں اور زاہد کے فکر میں خالقِ آفاق کی جھلک نظر آتی ہے۔

ذکرِ الٰہی دراصل خالقِ حقیقی سے رابطے کی ایک شکل ہے۔ ذکر، اپنے نصب العین سے شدید محبت کا نام ہے۔ اسی کو یاد کیا جاتا ہے جس سے محبت ہو اور صوفی کا نصب العین یا اس کا مرکزِ عشق تو اللہ کی ذات ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

''ترجمہ: سوتم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کیا کرو اور میری ناشکری نہ کیا کرو''۔[البقرہ:152]

ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

''ترجمہ: طلوع وغروبِ آفتاب سے پہلے، دورانِ شب اور دن کے کناروں پر اللہ کی حمد وثنا کیا کرو، تاکہ تمہیں مسرت وشادمانی نصیب ہو''۔[طٰہٰ:130]

کوئی مسافر اپنی منزل کے تصور سے غافل نہیں ہو سکتا۔ ایک صوفی یا سالک، راہِ طریقت کا وہ مسافر ہے جس کی منزل ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ تصوف میں ذکر اور عبادت و ریاضت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ مختلف سلاسل کے بزرگوں نے اذکار و مجاہدات کے اپنے اپنے طریقے وضع کیے ہیں۔ سلوک وتصوف میں مختلف قسم کے اذکار ہوتے ہیں۔ ان میں سب سے معروف ذکر ''نفی اثبات'' ہے۔ سلسلۂ عالیہ توحیدیہ کے بانی وشیخِ اوّل خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ ''نفی اثبات'' کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

''لا اِلٰہ الا اللہ کے ذکر کو نفی اثبات کہتے ہیں۔ کیونکہ لا الہ کے معنی ہیں کوئی معبود نہیں ہے۔ یہ نفی ہوئی اور الا اللہ کے معنی ہیں ''لیکن اللہ'' یہ اثبات ہوا۔ طریق حکمت [تصوف] میں لا الہ کے معنی یہ لیے جاتے ہیں کہ کوئی موجود نہیں ہے''۔[31]

میاں سید محمد چشتی نے اپنی سی حرفیوں میں مختلف مقامات پر نفی اثبات کی فضیلت بیان کی ہے۔ ان کی سی حرفی سے ایک بند پیش ہے، جس میں نہ صرف اس ذکر

کی فضیلت بیان کی گئی ہے بلکہ ذکر کرنے کے طریقے کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے:

لا: لا الہ الا اللہ، صوفیاں سالکاں لئی سوغات سیدنؔ
گجھی رمز ہے عاشقاں لئی اِس وچ، اِس دا نام ہے نفی اثبات سیدنؔ
لگے ضرب جو اِس دی قلب اُتے، دھووے سب صدمے صدمات سیدنؔ
پینگھ نفی اثبات دی جھُج کے تے، عاشق ویکھدے کئی درجات سیدن
[32]

صوفیا کے لیے دوسرا اہم ذکر ''پاسِ انفاس'' ہے۔ اس میں صوفی ہر سانس میں اپنے محبوبِ حقیقی کو یاد کرتا ہے۔ میاں سید محمد چشتی پاسِ انفاس کو نفس کو قابو میں رکھنے کا ہتھیار بتاتے ہیں:

و: وِرد ایہ نفی اثبات والا، میری روح، میرے دِل اَتے ساس دا اے
جہڑا نفس دے لونبڑے قید رکھدا، سنو! زور اوہ پاس انفاس دا اے
شرع وَکھ نہیں فقر تھیں اِک رَتّی، ایہ مسئلہ حق اساس دا اے
تُسیں نہیں سمجھے! چلو کوئی گل نہیں، رولا صرف ایہ سیدؔنے داس دا اے
[33]

7۔ دنیا کی بے ثباتی اور فکرِ آخرت:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''جو کچھ تمھارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔'' [النحل:69]

یعنی دنیا عالمِ فنا ہے اور آخرت کی زندگی عالمِ بقا ہے۔ اسی حوالے سے ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

"یہ دنیا کی زندگی سوائے کھیل تماشا کے اور کچھ نہیں ہے۔ بے شک آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے۔ کاش وہ اس کو سمجھ جائیں"۔ [العنکبوت:56]

صوفیا کے نزدیک ہر وہ چیز دنیا ہے جو اللہ کی یاد سے ہٹا کر اپنی طرف مشغول یا متوجہ کر لے۔ تمام صوفیا نے لوگوں کو یہی درس دیا کہ دنیا فانی ہے۔ یہ عالمِ بے بقا ہے۔ یہاں دل لگانے سے بہتر ہے آگے کی دنیا کا سوچا جائے۔ دنیا کی بے ثباتی اور فکرِ آخرت کا بیان تمام صوفی شعرا کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ میاں سید محمد چشتی ایک سالکِ راہِ حقیقت تھے اور اس عالمِ بے بقا کی اصلیت سے خوب واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ایک سچا عشق ہی ہے جو انسان کی بقا کا ضامن ہے۔ میاں سید محمد چشتی اپنی سی حرفیوں میں جابجا اس دنیا کی ناپائیداری کا ذکر کرتے ہیں اور ساتھ آخرت کی تیاری کا درس بھی دیتے ہیں:

ل: لد کے بھار برداریاں او، سبھناں خاک اندر کیتے وَنج ڈیرے
موسیٰ جان ہارون طالوت یارو، سو بھی گئے جہان تے پا پھیرے
اوتھے کون ہوسی وفادار تیرا، ہنجو نین روسن زار و زار تیرے
کلمے پاک دا وِرد کما سیدنؔ، جھڑا جاوے مسافری نال تیرے
[34]

ح: حرص ہوا جہان والی، ناہیں جاوندی کسے دے نال مائے
توڑے سَے برساں ہووے جِیُون جگ تے، ملک الموت پاسی اوڑک پھال مائے
تینوں سُتیاں کِسے جگاوناں نہیں، گزرن گئیں چھ ماہیاں سال مائے
اَج کل دی کھیڈ نہیں سیدنؔا او، ایہو اس جہان دی چال مائے
[35]

ھ: ہار گئے کئیں بازیاں نوں، جھڑے وِچ عمارِیاں جھُولدے سن
لرزہ کھا زمین تے اوہ ڈِگے، جھڑے وانگ سَرو سدھے طُول دے سن
کئیں باغ بہار گلزار ہوئے، کئیں وانگ گلاب دے پھُول دے سن
اِتھے سیدنؔا اوہ بھی خاک ہوئے، جھڑے یار رسولؐ مقبول دے سن
[36]

8۔ ہجر وفراق:

پنجابی شاعری ہمیشہ سے ہجر وفراق کا اظہاریہ رہی ہے۔میاں سید محمد چشتی نے بھی اپنے قصۂ ہجر وفراق کا بیان جابجا کیا ہے۔ان کے کلام میں شدّتِ جذبات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا:

الف: اَگ فراق دی یار باجھوں، تن من میرا سیّو ساڑ گئی
[37]
لنگھ گیا کلیجیوں پار یارا، زہر ہجر والا سینے دھایا ای
[38]
کدی وَصل دی دیو دوا آ کے، خواجہ میں بیمار بُلا رہیاں
[39]

مذکورہ بالا مضامین کے علاوہ میاں سید محمد چشتی کے ہاں ایسے کئی مضامین مشاہدہ کیے جا سکتے ہیں جن کا تعلق عام سماجی نظریات سے ہے۔عورت کی بے وفائی اور عورتوں کے پیچھے شیر جوانوں کی بے حالی کا نقشہ میاں سید محمد چشتی نے بڑے منفرد انداز میں کھینچا ہے۔ان کے کلام میں اس مضمون کا اتنا واضح بیان یقینی طور پر کسی نہ کسی پس منظر کا حامل ہے:

ش: شیر تے مَست جوان دُولے، پچھے رَنّاں دے ہوئے فقیر یارو
[40]
غ: غیر کولوں نفع نہیں ہوندا، توڑے چشماں وِچ بہاویے جی
ذات رَنّاں دی بے وفا ہوندی، توڑے عرش مجید پُچاویے جی
کھاون کھنڈ تے ریت بناوندیاں نی، کاہنوں کتیاں کھِیر لکاویے جی
توڑے جل جاوے جگرا سوہنیاں دا، سیدنؔ سچ دے سخن سناویے جی
[41]

میاں سید محمد چشتی نے نینوں کا ذکر بہت جگہوں پر کیا ہے اور متفرق انداز میں کیا ہے جو دامنِ دل کھینچتا ہے۔آنکھوں کا ذکر ہر زبان کی شاعری میں ملتا ہے۔کیوں

کہ یہ وہ دَر ہے جس کے ذریعے پہلا وار کیا جاتا ہے:

ق: قتل کیتوئی نیناں نال مینوں، پھر حال نہ پُچھیوئی جانیاں او [42]
گوڑیاں نیناں دی فوج تیار کر کے، چھاتی ڈاہ کے مورچے لا بیٹھا [43]
کریے جنگ نسنگ نہ موڑیے اَنگ، خنجر نیناں دے سیدنا کھا مَریے [44]
ل: لُٹ لئیاں متوالڑے نی، گیا نیناں دی مار کے سانگ مائے [45]

﴿ب: فنی جائزہ﴾

میاں سید محمد چشتی پنجابی کی قدیم شعری روایت پر عمل پیرار ہے۔ان کی سی حرفیاں فنی اعتبار سے روایتی طرز کی ہیں۔انھوں نے کسی قسم کا نیا تجربہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔

1۔ زبان اور اسلوب:

میاں سید محمد چشتی کا تعلق ضلع جہلم سے تھا۔جہلم میں پنجابی زبان بولی جاتی ہے لیکن اس پر پوٹھوہاری کے اثرات بھی واضح ہیں۔میاں سید محمد چشتی کی شاعری مقامی لب و لہجے میں ہے۔تاہم انھوں نے فارسی اور عربی زبان کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔جن میں سے زیادہ تر الفاظ کا تعلق مذہب یا تصوف کی اصطلاحات سے ہے۔میاں سید محمد چشتی نے مشکل سے مشکل مضمون کو بھی بڑی سہولت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ان کی زبان بہت عام فہم اور سادہ ہے۔جسے سمجھنا کسی عام قاری کے لیے چنداں مشکل نہیں۔البتہ، تصوف کی اصطلاحات سمجھنے کے لیے تصوف سے واقفیت ضروری ہے۔

ہر شاعر یا فنکار کا ایک مخصوص اسلوب ہوتا ہے جو اس کی پہچان بنتا ہے۔ بہت سے ایسے سی حرفی نگار ہیں جن میں اسلوبیاتی اشتراکات مشاہدہ کیے جا سکتے ہیں۔اس کی وجہ بحرِ طویل یا وارث شاہی بحر کے استعمال کے علاوہ ایک خاص جغرافیائی حدود میں بولی جانے والی زبان کے اثرات بھی ہوتے ہیں۔میاں محمد بخش [46]، میاں سید محمد چشتی اور ان کے پوتے میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی کی سی حرفیوں [47] کا جائزہ لیا جائے تو اسلوبیاتی حوالے سے تینوں میں بہت مماثلت پائی جاتی ہے۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ان کے علاوہ بھی کئی ایسے شعرا ہیں جن کے کلام میں زبان و بیان اور استعمال کی گئی بحروں میں مماثلت پائی جاتی ہے اور مقامی لب و لہجے کا عمل دخل بھی اپنی جگہ موجود ہے۔اہلِ زبان بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ میاں سید محمد چشتی کی زبان میں بڑی سلاست اور روانی ہے۔وہ بڑے سے بڑے مضمون کو بھی بڑے سلیقے اور آسانی کے ساتھ برت گئے ہیں۔اسی حوالے سے ایک بند ملاحظہ ہو:

ف: فضل جناب تھیں منگدا میں، نہ کوئی مان تران تے زور، اللہ!
توہیں بخش مینوں بخشنہار سائیاں، آیا تیرے دربار تے چور، اللہ!
کوئی میرے جیہا گنہگار ناہیں، پیا وِچ جہان دے شور، اللہ!
کوئی تُساں جیڈا سخی ہور ناہیں، بخش دیو جی عیب کروڑ، اللہ!
[48]

میاں سید محمد چشتی متقدمین کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے کلام میں ایک عورت کی حیثیت سے مخاطب ہوئے ہیں۔زیادہ تر پنجابی صوفی شعرا نے خود کو ایک عورت کے روپ میں رکھتے ہوئے، مرشد یا ذاتِ احدیت سے عشق و عقیدت کا اظہار کیا ہے۔میاں سید محمد چشتی نے بہت کم مقامات پر اپنے لیے مذکر کا صیغہ استعمال کیا ہے:

ھ: ہسناں کھیڈناں بھُل گئی آں، میرے کھلڑے نی کالے کیس مائے

بوہے بوہے میں جھاتیاں پا رہیاں، ٹُکر منگدے جیئوں درویش مائے
لکھیا ازل دے روز دا کون موڑے، جہڑا آیا اساڈڑے پیش مائے
ہُن سیدنا ڈھونڈدی یار تائیں، محرم چھوڑ کے گیا پردیس مائے
[49]

2۔ ہیئت اور بحر:

ہیئت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو سی حرفی ''مسمط'' ہے۔ مسمط ایسی نظم کو کہتے ہیں جو مختلف بندوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے مسمط کی تعریف یوں کی ہے:

> ''مُسمط کا مادہ ''تسمیط'' ہے جس کا لغوی مطلب موتی پرونا ہے۔ اصطلاحاً منتشر اجزاء کو باہم مربوط کرنا، مختلف بندوں پر مشتمل نظم۔ بندوں میں مصرعوں کی تعداد پر پابندی نہیں چنانچہ تین تا دس مصرعوں تک کا بند ہوسکتا ہے لیکن پہلے بند میں مصرعوں کی جو تعداد رکھی گئی، بعد کے تمام بندوں میں اسے برقرار رکھا جاتا ہے''۔[50]

بند میں شامل مصرعوں کی تعداد کے مطابق مسمط کی مزید آٹھ اقسام ہیں (مثلث، مربع، مخمس، مسدس، مسبع، مثمن، مسع، مشعر)۔ پنجابی شعرا نے سی حرفی اپنی من پسند ہیئتوں میں لکھی۔ زیادہ تر سی حرفیاں مربع میں ملتی ہیں۔ میاں سید محمد چشتی کی سی حرفیاں بھی ہیئت کے اعتبار سے مربع ہیں۔ لیکن یہاں ایک خاص بات یہ ہے کہ اس کتاب میں شامل چاروں سی حرفیوں میں حرف ''ن'' سے شروع ہونے والے بند چھ چھ مصرعوں پر مشتمل ہیں۔ بظاہر تو اس کی کوئی خاص وجہ نظر نہیں آتی، سوائے اس کے کہ ان کی ''ن'' کے ساتھ کوئی قلبی وابستگی رہی ہوگی۔

میاں سید محمد چشتی کا تمام دستیاب کلام ایک ہی بحر میں ہے۔ جسے بحرِ طویل

کہا جاتا ہے۔اس بحر میں سب سے پہلے شاہ جہان مقبل نے ہیر کا قصہ نظمایا تھا۔ بعد میں سید وارث شاہؒ نے بھی ہیر اسی بحر میں لکھی۔ ہیر وارث شاہ کی بدولت اس بحر کو شہرت حاصل ہوئی اور اسی مناسبت سے اسے ''وارث شاہی بحر'' بھی کہا جاتا ہے۔

3۔ تشبیہات:

میاں سید محمد چشتی نے بہت عام فہم اور معروف تشبیہات کا استعمال کیا ہے جنھیں سمجھنا کسی بھی قاری کے لیے مشکل نہیں۔ان کے کلام کی یہی خوبصورتی ہے کہ مضمون آفرینی کے شوق میں انھوں نے اپنے قاری کو مشکل میں نہیں ڈالا:

وانگوں رانجھڑے مندراں پا سیدن، ہوواں خاص جلال دا چاک میاں
[51]
ٹھل پیا چنہاں دے وِچ عاشق، سوہنی وانگ میرا گھڑا بھجیا اے
[52]
ض: ضرب ڈاڈھی تیرے ہجر والی، ماہی وانگ بے آب تر ساونی آں
[53]

4۔ تلمیحات:

ایک لفظ یا مجموعۂ الفاظ کے ذریعے کسی تاریخی، سیاسی، اخلاقی یا مذہبی واقعے کی طرف اشارہ کیے جانے کو ادبی اصطلاح میں تلمیح کہا جاتا ہے۔میاں سید محمد چشتی نے تلمیحات کا نہ صرف بہت زیادہ بلکہ بہت خوبصورت استعمال کیا ہے۔جو اس بات کا غماز ہے کہ میاں سید محمد چشتی کس قدر عمدہ تاریخی شعور کے مالک تھے۔اور انھیں اپنی تاریخ وسیاست سے کس قدر شغف تھا:

ت: تک کے معجزہ نبیؐ والا، آندا عمر خطابؓ ایمان یارو
بھَن چُور کیتے کفر کافراں دے، پیا شور سی وِچ جہان یارو
بھَنے عزیٰ تے لات منات سبھے، ملک پڑھن سبحان سبحان یارو
ابوجہل رہیا وِچ جہل دے جی، سنگی جیَں دا آہا شیطان یارو
[54]

ر: رات شب قدر دے قدر والی، نبیؑ شب معراج بُلایا ای
ہویا شاہ سوار اسوار دولا، جبرائیل براق لے آیا ای
سَتے منزلاں گئے نی لنگھ اَگے، رفرف تے قدم ٹکایا ای
پُہتے لامکان مکان سیدنؐ، اصلی ونج دیدار نوں پایا ای
[55]

غ: غرق کیتا رب کافراں نوں، جدوں زِمیں تے آیا طوفان آہا
وِچ مٹاں دے امن امان رہنا، انہاں کافراں وَڈا گمان آہا
رہیا عوج نہ مویا سی اَت ویلے، مُلّاں آکھدے وَڈا جوان آہا
سید محمدؐا او کشتی نوح دی وچ، جوڑا جوڑا حیوان انسان آہا
[56]

5۔ سراپا نگاری:

سراپا نگاری میں سر سے پاؤں تک اپنے ممدوح کے تمام اعضاء اور خدوخال کی جمال آفرینیاں بیان کی جاتی ہیں۔ میاں سید محمد چشتی نے اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کا ثبوت پیش کرتے ہوئے اپنے ممدوح کی تعریف بہت خوبصورتی کے ساتھ کی ہے:

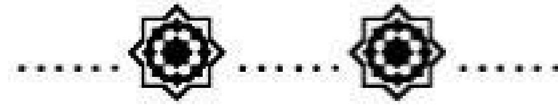
ح: حسن ویکھو میرے پیر والا، کہیاں صفتاں جناب نے پائیاں نیں
مُکھ سوہنے دا بدر منیر وانگن، چشماں سوہنیاں خوب سوہائیاں نیں
زلفاں ناگ کالے کنڈل مار بیٹھے، گویا فوجاں ایران تھیں آئیاں نیں
لباں بول شیریں مِٹھے سیدنا او، عرضاں سب منظور کرائیاں نیں
[57]

6۔ تمثیلی رنگ:

تمثیل نگاری سے ایسا اندازِ تحریر مراد ہے جس میں تشبیہات و استعارات سے کام لیا جاتا ہے۔ اس میں موضوع پر براہ راست بحث کرنے کے بجائے اسے تخیلاتی اور تصوراتی کرداروں، روزمرہ کے مسائلِ حیات اور انسان کے عقائد و تجربات کا بیان ہوتا ہے۔ اسی طرح عشقیہ داستانوں یا ان کے کرداروں کے پس منظر

میں صوفی شعرا نے عشق حقیقی یا تصوف کی بات کہی ہے۔مجاز کے پردے میں حقیقت کا بیان صوفی شعرا کا وطیرہ رہا ہے۔میاں سید محمد چشتی کی شاعری پر بھی یہ روایتی تمثیلی رنگ بہت گہرا ہے۔انھوں نے جا بجا سسّی اور ہیر کی زبان میں پنوں اور رانجھے کے ہجر و انتظار کا نوحہ سنایا ہے۔ان تمثیلوں کا پس منظر، ایک صوفی کی اپنے محبوب حقیقی یا مرشد سے عقیدت و محبت کا اظہار یہ ہے:

ت: تانگھ تیری مینوں سجناں او، اَٹھے پہر آرام نہ پاوندی آ
سوہنی ڈُب موئیا کچے گھڑے اُتے، ہیر چا بھتّا بیلے جاوندی آ
پچھے شیریں دے اوہ فرہاد موئیا، سسّی تھلاں دے وِچ کرلاوندی آ
کدی پہنچ جلال دیا مالکا او، تتی رب دے واسطے پاوندی آ
[58]



حواشی

1۔ میاں ظفر مقبول، مضمون: سی حرفی کی روایت، مشمولہ: پنجابی زبان وادب کی مختصر تاریخ، مرتبہ: ڈاکٹر انعام الحق جاوید، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع سوم، 2006ء، ص:319
2۔ بدخشانی، مقبول بیگ، مضمون: سی حرفی دا فکر تے فن، مشمولہ: لعلاں دی پنڈ، مرتبہ: اقبال صلاح الدین، عزیز بک ڈپو، لاہور، 1997ء، ص:8
3۔ نوید شہزاد، ڈاکٹر، سلجھانتا، کلیہ شرقیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، 2007ء، ص:51
4۔ ہاشمی، حمید اللہ شاہ، مختصر تاریخ زبان وادب پنجابی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 2011ء، ص:95
5۔ بدخشانی، مقبول بیگ، لعلاں دی پنڈ، ص:84
6۔ انعام الحق جاوید، (دیباچہ) دِل دریا سمندروں ڈونگھے، حضرت سلطان باہوؒ،

رمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، راولپنڈی، 2011ء،ص:17

7۔ صحیح مسلم، مترجم: علامہ وحید الزماں، جلد ششم، نعمانی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، 2004ء ص:315

8۔ اشتیاقِ حیدری (اجتماعی جلد)، قلمی تحریر بدست حافظ عبدالغنی

9۔ حضرت سلطان باہو، ابیاتِ باہو کامل، تحقیق، ترتیب وشرح: سلطان محمد نجیب الرحمٰن، سلطان الفقر پبلی کیشنز، لاہور، 2015ء،ص:258

10۔ اختر ڈھانگروی، میاں محمد شفیع (مرتب)، ''گنجِ سید محمد چشتی'' مشمولہ ارمغانِ چشتی (قلمی)، 1934ء،ص:09

11۔ ایضاً،ص:27

12۔ ایضاً

13۔ صحیح بخاری شریف، مترجم: حضرت مولانا علامہ محمد داؤد راز، مرکزی جمیعت اہلِ حدیث ہند، دہلی، 2004 (الایمان، حدیث:15)،ص:193

14۔ ''گنجِ سید محمد چشتی'' مشمولہ ارمغانِ چشتی (قلمی)،ص:28

15۔ سید وارث شاہؒ، ہیر وارث شاہ، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1997ء،ص:5

16۔ ''گنجِ سید محمد چشتی'' مشمولہ ارمغانِ چشتی (قلمی)،ص:26

17۔ ایضاً،ص:25

18۔ ایضاً،ص:32

19۔ حضرت سلطان باہوؒ، دِل دریا سمندروں ڈونگھے، مرتبین: ڈاکٹر انعام الحق جاوید، امجد علی بھٹی، رومیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، راولپنڈی، 2001ء،ص:141

20۔ ''گنجِ سید محمد چشتی'' مشمولہ ارمغانِ چشتی (قلمی)،ص:2

21۔ ایضاً،ص:3

22۔ ایضاً،ص:5

23۔ اشتیاق حیدری (اجتماعی جلد)، قلمی تحریر بدست حافظ عبدالغنی

24۔ ایضاً

25۔ ''گنجِ سید محمد چشتی''،مشمولہ ارمغانِ چشتی (قلمی)،ص:33

26۔ ایضاً،ص:23

27۔ ایضاً،ص:56

28۔ اشتیاق حیدری (اجتماعی جلد)،قلمی تحریر بدست حافظ عبدالغنی

29۔ ایضاً

30۔ ''گنجِ سید محمد چشتی''،مشمولہ ارمغانِ چشتی (قلمی)،ص:51

31۔ خواجہ عبدالحکیم انصاری،تعمیر ملت، سلسلہ عالیہ توحیدیہ، لاہور، 1994ء، ص:138

32۔ اشتیاق حیدری (اجتماعی جلد)،قلمی تحریر بدست حافظ عبدالغنی

33۔ ایضاً

34۔ ''گنجِ سید محمد چشتی''،مشمولہ ارمغانِ چشتی (قلمی)،ص:35

35۔ ایضاً،ص:28

36۔ ایضاً،ص:36

37۔ ایضاً،ص:37

38۔ ایضاً،ص:12

39۔ ایضاً،ص:16

40۔ ایضاً،ص:50

41۔ ایضاً،ص:53

42۔ ایضاً،ص:47

43۔ ایضاً،ص:49

44۔ ایضاً،ص:22

45۔ ایضاً

46۔ ''باقیاتِ میاں محمد بخش'' کے نام سے میاں محمد بخشؒ کی سی حرفیوں کا مجموعہ صاحبزادہ میاں محمد عمر بخش نے 2011ء میں مرتب کر کے شائع کروایا۔

47۔ ''سی حرفیاں میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی: تدوین و تحقیق'' کے عنوان سے راقم نے ایم فل (پاکستانی زبانیں وادب) کے لیے تحقیقی مقالہ تحریر کیا۔

48۔ ''کنجِ سید محمد چشتی''،مشمولہ ارمغانِ چشتی (قلمی)،ص:46

49۔ ایضاً،ص:24

50۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات (توضیحی لغت)، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2011ء،ص:246

51۔ ''کنجِ سید محمد چشتی''،مشمولہ ارمغانِ چشتی (قلمی)،ص:4

52۔ ایضاً،ص:25

53۔ ایضاً،ص:6

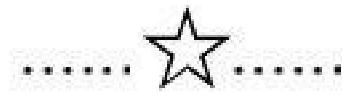
54۔ ایضاً،ص:40

55۔ ایضاً،ص:42

56۔ ایضاً،ص:33

57۔ ایضاً،ص:16

58۔ ایضاً،ص:15



[۴]

سی حرفیاں میاں سید محمد چشتی: ایک نظر میں

(محاکمہ)

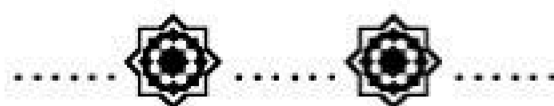
میاں سید محمد چشتی کا زمانہ انیسویں صدی کا ہے۔اس زمانے کو پنجابی شاعری کا آخری قدیم دور تصور کیا جاتا ہے۔اُن کے ہم عصر شعرا میں قابلِ ذکر نام سیّد فضل شاہ نواں کوٹی، خواجہ غلام فرید، مولوی غلام رسول عالم پوری، میاں محمد بخش اور محمد بوٹا گجراتی کے ہیں۔ یہ وہ شعرا ہیں جنھوں نے عمر بھر قدیم شعری روایت کا نہ صرف دامن تھامے رکھا بلکہ اُسے اپنی تخلیقی صلاحیتوں سے مالا مال بھی کیا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں ہی دیگر شعرا نے نئے رنگ کو قبول کرنا شروع کر دیا تھا۔میاں سید محمد چشتی نے بھی روایت سے ہٹ کر چلنے کی سعی نہیں کی اور نہ ہی ان کے ہاں کسی قسم کا تجربہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس کی وجہ ان کی ناخواندگی اور علاقے کی تعلیمی و سیاسی لحاظ سے پسماندگی ہے۔اُن کا جنم بھیٹ (ڈھانگری مرزا)، ضلع جہلم میں ہوا۔ وہیں ان کی تمام عمر گزری۔ یہ علاقہ آج بھی آثار قدیمہ کا نمونہ معلوم ہوتا ہے۔اس علاقے کی موجودہ صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے،صدی ڈیڑھ صدی پہلے کے حالات کا اندازہ لگانا قطعاً مشکل نہیں۔اس لیے، اس سوال کا جواب سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ میاں سید محمد چشتی نے روایت کی تقلید کیوں کی اور کیوں روایتی صنف سخن میں طبع آزمائی کرتے رہے؟ ویسے بھی نئے تجربات ہر تخلیق کار کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ ایسا شاذ ہی ہوتا ہے۔

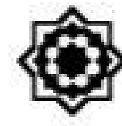
میاں سید محمد چشتی کا شمار اُن صوفی شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے شریعت اور

معرفت کو یک جان کیا ہوا تھا۔ دوسرے صوفیا کی طرح اُن کا کلام بھی سی حرفیوں کے روپ میں ہجر وانتظار اور طلب وآرزو کا مرقع ہے۔ اُن کی زبان میں علاقے کی چاشنی اور کیفیت موجود ہے۔ ان کا کلام چشتیہ رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ مسلک کے لحاظ سے وہ ابن عربیؒ کے پیرو کار نظر آتے ہیں۔ اُن کے کلام میں وحدت الوجود کے عناصر واضح طور سے مشاہدہ کیے جا سکتے ہیں۔ انھیں دبستانِ منصورؒ سے گہری عقیدت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت منصور حلاجؒ کی ثابت قدمی کی مثالیں بھی انھوں نے جا بجا دی ہیں۔

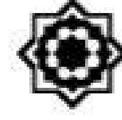
عشق اور مرشد، اُن کی شاعری کا لازمی جزو ہیں۔ ہونا بھی چاہیے، کیوں کہ ان دونوں کے بغیر صوفی، صوفی نہیں ہوسکتا۔ میاں سید محمد چشتی کی سی حرفیوں میں جا بجا علاقائی لوک کہانیوں ''سسّی پنوں'' اور ''ہیر رانجھا'' کے کرداروں کو علامتی طور پر مرشد اور خدا کی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔ ان کے دستیاب کلام میں خاص بات تلمیحات کا استعمال ہے۔ انھوں نے کئی تاریخی واقعات کو بطور تلمیح استعمال کیا ہے۔ اُمّی ہونے کے باوجود انھوں نے تاریخی واقعات اور شخصیات کا جس خوب صورتی سے استعمال کیا ہے، اس سے کہیں بھی ان کی ناخواندگی ظاہر نہیں ہوتی۔ بحر حال، دستیاب شواہد کے پیشِ نظر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ میاں سید محمد چشتی ناخواندہ اور کتابی علم سے بے نیاز تھے۔

بحیثیت مجموعی، اُن کا کلام ایک ایسے صوفی شاعر کا کلام ہے جو اپنے قاری کو اپنے مشاہدات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اسے اخلاقیات اور فکرِ آخرت کا درس بھی دیتا ہے۔ میاں سید محمد چشتی دنیائے ادب میں ایک خوشگوار اضافہ ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ ان کا کلام نہ صرف ناقدینِ زبان و ادب کی توجہ اپنی طرف ضرور مبذول کروائے گا بلکہ تحقیق کے نئے زاویے متعین کرنے کا باعث بھی بنے گا۔



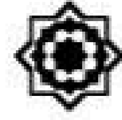


کلام
میاں سید محمد چشتی



﴿سی حرفی اوّل﴾

دَر مدح حضرت پیر غلام حیدر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ



الف

آ جانی پھیرا پا جانی، چلی زندگانی رو رو اَکّیاں میں
کدی پا پھیرا ویکھیں آ ڈیرا، تیرا وِرد کر کر ہُن تھکّیاں میں
تیری چاہ مینوں پایا چاہ اندر، جُھرے ہجر والے وِچ ڈَکّیاں میں
سیدنؔ مرن بھلا پچھے سوہنیاں دے، پھکیاں دَرد فراق دِیاں پھکّیاں میں

ب

بس مائے متیں دَس ناہیں، اَساں سوہنیاں دی طرفے جاونا ایں
گھوڑا ذوق تے شوق دا پیڑھ کے او، طرفے پیر دی قدم اُٹھاونا ایں
لوک وَسدا رَسدا ہَسدا ای، اَساں غم پیارے دا کھاونا ایں
غوطے کھانڈڑا بحر عمیق سیدنؔ، رُہڑدا پیر میرے بنے لاونا ایں

ت

تک بے شک نہ جھک میاں، کون وِچ جلالپور آیا ای
وَڈا خوف مینوں اِنہاں عالماں دا، اس واسطے بھیت چھپایا ای
اِنہاں نال منصورؒ دے جنگ کیتا، سِر دِتا نہ سبق بُھلایا ای
چادر میم دی پہن کے سیدنا او، پیا اِکس تھیں دو کہایا ای

ث

ثابتی نال تحقیق جانی، میرا پیر ہے پیراں دا پیر سائیں
عاصی آ ڈِگا دربار تیرے، کرو معاف میری تقصیر سائیں
ایسا پیر یارو لوہا کرے سونا، خاصاں سمجھیا خاص اکسیر سائیں
ایسے ویکھ چالے سیدن پیر والے، کردے دُوتیاں دے سینے چیر سائیں

ج

جا ویکھو میریاں سجناں نوں، اُپر سِرے دے تاج لولاک دا ای
برقع نور محمدیؐ پہن کے تے، حیدر شاہ جی نام رَکھایا ای
مولوی مَل بیٹھے کوچہ یار والا، سِدھا عالماں نوں راہ لایا ای
صوفی پہن ٹوپی پھیرن تسبیحاں، سینہ سالکاں صاف کرایا ای

ح

حُسن دا باغ بہار کھِڑیا، جِتھے آپ مالی بوٹے لا بیٹھے
چَنبہ پھُل گلاب رَویل کھِڑیا، بھور بلبلاں شور مچا بیٹھے
پکے اَنب دا کھاں نا کھاں کَیہ آکھاں، میوے کھاونے نوں طوطے آ بیٹھے
دُوئی دُور کر کے سیدنؔ خوش وَسدے، جھڑے اپنا آپ وِنجا بیٹھے

خ

خُم مِٹھا میرے پیر والا، جنہاں چکھیا سوئی نہال ہوئے
چھُری عشق حقیقی دی رَکھ گردن، اَگے سوہنے دے جا حلال ہوئے
اونہاں دوہاں جہاناں دی لوڑ ناہیں، جنہاں پیر دے خاص جمال ہوئے
جنہاں عشق والا چولا رَنگیا ای، ویکھ سیدنا او خوش حال ہوئے

د

دَرد تیرے رنگ زَرد کیتا، ویکھیں مرض میری اللہ والیا اوئے
کریں کرم دی ہِک نگاہ سائیاں، اَساں قول تساڈڑا پالیا اوئے
وِچ دِین تے دنیا دے نام تیرا، تینوں آپ سرکار سنبھالیا اوئے
ڈاڈھی پیڑ کلیجڑے پیر والی، سیدنؔ آپنے آپ نوں جالیا اوئے

ذ

ذکر کراں خواجے پیر والا، بانکی ٹوپی تے سوہنی پوشاک میاں
جس نوں نال نگاہ دے ویکھدے نی، ہوندا اوہ پلیتیوں پاک میاں
کراں ایہ دعا جناب اَگے، ہوواں پیر دے پَیراں دی خاک میاں
وانگوں رانجھڑے مُندراں پا سیدن، ہوواں خاص جلال دا چاک میاں

ر

رات کالی مینوں یار باجھوں، دَسو کار کوئی ماہی آونے دی
گئی نار فراق دی ساڑ مینوں، کوئی کرو تدبیر بجھاونے دی
لگے پھَٹ وِچھوڑے دے وِچ سینے، نہیوں جا کوئی مرہماں لاونے دی
سیدن یار دربار دے وِچ مَرساں، گل آکھ ناہیں ہَٹ جاونے دی

ز

زور نہ چلدے دُوتیاں دے، جنھے پیر میرا مہربان ہووے
توڑے لکھ بخیلیاں کرن یارو، رَتی اُس دا نہ نقصان ہووے
جو کوئی پیر دا اِسم پکاوندا ای، اوہ بھی وِچ میدان جوان ہووے
جس تے مہر تے کرم دی نظر پاون، سیدن اُس تے بہوں احسان ہووے

س

سانگ ماری سینے وِچ کاری، گئی لنگھ کلیجیوں پار مائے
اچن چیت اُٹھی دُوتی آن کُٹھی، ہنجوں وَگدیاں نی زارو زار مائے
دِنے رات فراق دے وِچ کُوکاں، لوے کون غریب دی سار مائے
جے کر مُکھ موڑاں سیدنؔ پیر وَلوں، مینوں ساڑسی دوزخی نار مائے

ش

شان تیرے ہور کون آیا، کس پاک جمال دِکھایا ای
تساں وِچ سنگھڑ[1] ڈیرا آن لایا، خواجہ شاہ سلیمان سدایا ای
تنبو تان کے وِچ سیال دے جی، ہَر ہَر دے وِچ سمایا ای
علی شیر دا ویس وٹا آیوں، غوغا وِچ جہان دے پایا ای

ص

صبر دا قدر نہ کوئی جانے، قدر صبر دا جانن فقیر میاں
قدر یار دا یار پچھاندے نی، جھڑے رہن ہمیش دِلگیر میاں
قدر پیر دا بالکے جاندے نی، قدر رانجھن دا جاندی ہیر میاں
قدر علم دا سیدنؔا اوہ جانن، جھڑے پڑھدے فقہ تفسیر میاں

ض

ضرب ڈاڈھی تیرے ہجر والی، ماہی وانگ بے آب ترساونی آں
میں مَل سمندری سِپ بیٹھی، تیری رحم دی بوند نوں چاہونی آں
کدی آبِ حیات پِلا مینوں، تینوں رب دے واسطے پاونی آں
میریا سیدنؔا او خالص ہو موتی، مُل وِچ بازار پواونی آں

ط

طلب وِصال دی روز مینوں، ایہو دل میرا نِت چاہوندا ای
دَسیں وائے سنہیوڑے سجناں دے، کیا پیر میرا فرماوندا ای
میرے جیہاںؔ مسافراں شوہدیاں نوں، نال پیار دے سَد بہاوندا ای
میرا پِیر سیدنؔ دریا رحمت، بھر بھر عاشقاں جام پلاوندا ای

ظ

ظاہراں ویکھ لو پِیر میرا، جھنڈا وِچ جلال پور لایا ای
رَل کے عالماں فاضلاں ساریاں نے، ہتھ بنھ کے سِیس نوایا ای
سچا دِین رسولؐ مقبول والا، خواجے پِیر مینوں سکھلایا ای
کلمے پاک دی مُہر لگا سیدنؔ، دَم دَم میں یار پکایا ای

ع

عشق والی سینے لا کاتی، تینوں واسطہ پیر سیال دا اے
ہِک وار دیدار کروا حضرت، تینوں واسطہ نبیؐ کمال دا اے
دَسو جا کہڑی جِت وَل جاواں، بیٹھا قول تساڈڑے پالدا اے
تیریاں قدماں دی چُمے خاک سیدنؔ، بیٹھا راہ تساڈڑے بھالدا اے

غ

غم اندوہ ہٹا دِل تھیں، پیالہ وَصل دا دے پیاریا او
توہیں پیر میرا دستگیر کامل، تینوں پیر سیال نے تاریا او
میری پیڑ نوں پیر پچھاندا اے، پیڑؔ پئی تے پیر ونگاریا او
حیدر پیر جی پہنچناں اُس ویلے، سیدن دشمناں جدوں للکاریا او

ف

فضل جناب تھیں ہووندا ای، میرے پیر جی شاہ جلال اُتے
یوسف ثانی لوکو خواجہ پیر میرا، وَسے چھم چھم نور جمال اُتے
پنڈی، چھچھ، ہزارہ تے دان گلی، عاشق ہووندے آن حلال اُتے
ہوواں اس دربار دا سَگ سائیاں، سیدنؔ رَکھدا ایہ سوال اُتے

ق

قدر جانے کون عارفاں دی، ہکناں دَھب سریر جمایا ای
ہکناں لئے جھوٹے اُپر سُولیاں دے، سِر دِتا نہ سبق بھُلایا ای
ہکناں بَھگوے کپڑے سواہ لا کے، خاطر یار دی ویس وٹایا ای
ہُن دَس کھاں سیدنا کَیہ کرسیں، پاسیں بھیت کے بھیکھ بنایا ای

ک

کون جانے رَستے عشق والے، منزلاں بھاریاں تے پینڈے دُور یارا
جنہاں عشق دے وِچ میدان دِتے، کر گئے اپنے آپ نوں چُور یارا
گھوڑا ذوق دا پِیڑھ تیار ہوئیاں، طرفے ماہی دے جاناں ضرور یارا
حیدر شاہ جی دے قدمیں ڈِگے سیدن، بھاویں کرن نہ کرن منظور یارا

ل

لاج رَکھیں میری آپ سائیاں، نہ کوئی آسرا ہور فقیر دا ای
تتی تکدی آ کھلی پندھ تیرے، دارُوں کون جانے میری پیڑ دا ای
لگا گھاہ فراق دا وِچ سینے، کون یار باجھوں پھَٹ سِیڑ دا ای
سیدن شوق مینوں سوہنے پیر والا، جیوکر رانجھنے نوں شوق ہیر دا ای

م

مست شراب ہے پیر والا، بھر بھر ساقیا جام پلاونا او
عاصی اس دربار دا منگتا میں، خواجہ پیر جی تساں برتاونا او
تینوں واسطہ جل جلال دا ای، قدمی ڈِگا نہ مار ہٹاونا او
گنہگار سیدن اوگنہار جھلا، طوق پیر دے شوق دا پاونا او

ن

نار اندر جگہ کافراں دی، اَتے مومناں جنت نظیر میاں
اونہاں عاشقاں کجھ پروا ناہیں، جنہاں مل گیا حیدرؓ پیر میاں
پیا وِچ جہان دے زلزلہ ہے، اَساں سمجھیا بدر منیر میاں
چودھار جلوے میریاں سوہنیاں دے، مینوں پیر دا نام جاگیر میاں
میری لج تے پت گئی اوگناں ہتھ، میری جھول ہوئی لیرو لیر میاں
سیدن پکڑ دامن خواجہ پیر والا، جہڑا عاجزاں دا دستگیر میاں

و

ویکھساں میں مکھ پیر ولا، کرساں شکر ہزار ہزار بیلی
گیا تیر فراق دا چیر سینہ، لنگھ گیا کلیجیوں پار بیلی
تیرے غم نے مار کے چم کیتا، ہوئیاں بہوں لاچار لاچار بیلی
سیدن ہو جھلا وار وار کوکے، لوے کون غریب دی سار بیلی

ہ

ہسدی تے سُکھاں وَسدی میں، ہوش بھُلدی بھُلدی بھُل گئی آ
جھڑا گُندیا سِیس سہیلیاں نے، مہنڈی کھلدی کھلدی کھل گئی آ
جھڑی مہندڑی سیّاں دے نال لائی، مہندی ڈُلھدی ڈُلھدی ڈُلھ گئی آ
کہی آئی وِچھوڑے دی وا سیدنؔ، جھڑی جھُلدی جھُلدی جھُل گئی آ

لا

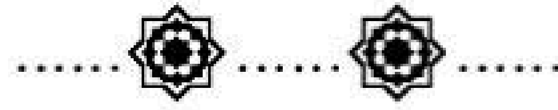
لُٹک رہیا مُکھ یار دے تے، سونے اپنا آپ بھُلایا ای
موتی اس مکان تے تَد پوہتا، جدوں اپنا آپ سَلایا ای
کنگھی زلف محبوب دی تد آوے، جدوں اپنا آپ چِرایا ای
سُن سیدنا تینوں سچ دَساں، باجھ دَرداں کَیں شوہ پایا ای

الف

آ جانی گل لا مینوں، گوشہ جوڑ کے تیر چلایا ای
لنگھ گیا کلیجیوں پار یارا، زہر ہجر والا سینے دَھایا ای
میری جان عزیز شہید ہوئیا، ملک الموت گویا پھیرا پایا ای
سید محمداؔ او اَسیں گور خانے، یار پڑھن جنازہ نہ آیا ای

ي

یار دے نال پیار میرا، سَوہنہ رب دی نہیں بھُلایا ای
پورب، پچھّم، دَکھن تے اُتّر پاسے، جلوہ سوہنیاں دا نظری آیا ای
ہکوار دیدار کروا حضرت! تینوں ربّ دا واسطہ پایا ای
سیدنؔ پکڑ دامن خواجے پِیر والا، جِنّیں ڈُبیاں نوں بنے لایا ای



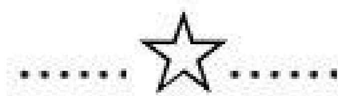
☆ یہ سی حرفی قلمی نسخہ ''اشتیاقِ حیدری (کنجِ سید محمد چشتی)، صفحہ 1 تا 13 سے لی گئی ہے۔

☆ حاشیہ اَز کاتب:

''دوبارہ از قلم محمد شفیع نائب مدرس مڈل سکول بھیٹ ولد میاں محمد عظیم سکنہ ڈھوک محمود داخلی ڈھانگری مرزا، تحصیل جہلم۔ بتاریخ 5 جولائی 1931ء۔

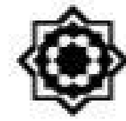
ل: لنگھ گئے اِتھوں کئیں سوہنے، جھڑے پیر فقیر کہاوندے سن
جنھاں اُتے توریت زبور آہی، سر سجدیوں مُول نہ چاوندے سن
ہِک کرن دعوے خدائیاں دے، بیٹھ تخت تے حکم چلاوندے سن
مچھر نال خدائے نے قتل کیتے، ہِک نیل اندر غوطے کھاوندے سن''

1۔ تونسہ شریف ۔ خواجہ سلیمان تونسوی (پیر پٹھان) کے تشریف لانے سے قبل تونسہ شریف سنگھڑ ندی کے کنارے چند گھروں پر مشتمل ایک غیر معروف گاؤں تھا۔ جب آپ تونسہ میں آکر مقیم ہوئے تو یہ غیر معروف گاؤں علم وعرفان کا مرکز بن گیا اور طاؤسہ سے تونسہ شریف کہلانے لگا۔ اس علاقے کو سنگھڑ کہا جاتا ہے۔



﴿سی حرفی دوم﴾

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم



الف

آوَ لوکو میلا سجناں دا، جِتھے پِیر میرے جھنڈا لایا اے
ڈِٹھا وِچ پنجاب دے شہر سوہنا، جلالپور مکّہ نظری آیا اے
تنبو تان بیٹھا تنبو تان سوہنا، گُلاں عالماں سِیس نوایا اے
یوسف ثانی سیدنؔ خواجہ پِیر میرا، حیدر شاہؒ جی نام رَکھایا اے

ب

بیٹھنا پِیر دے کول جا کے، سبھو دَسنا حال احوال یارو
میرا پِیر سردار ہے چشتیاں دا، جَیں دا پِیر ہے پِیر سیال یارو
علی شیرِ خدا دی پشت وِچوں، نبیؐ پاک رسول دی آل یارو
پَیر پِیر دے چُم لے سیدنؔا توں، ہوسی ربّ دا فضل کمال یارو

ت

تانگھ تیری مینوں سجناں او، اَٹھے پہر آرام نہ پاوندی آ
سوہنی ڈُب موئیا کچے گھڑے اُتے، ہیر چا بھتّا بیلے جاوندی آ
پِچھے شیریں دے اوہ فرہاد موئیا، سسّی تھلاں دے وِچ کرلاوندی آ
کدی پہنچ جلال دیا مالکا او، تتی ربّ دے واسطے پاوندی آ

ث

ثابتی نال تحقیق جانی، کون وِچ جلالپور آیا جی
جھنڈا لال محمدیؐ پکڑ ہتھیں، دَسو کِس نے ناد وَجایا جی
دَسو کون کوئی بِندیاں لا آیا، دَسو کِس نے ویس وَٹایا جی
سچ سچ ڈِٹھا سچ سیدؔ نے، ہتھ بنھ کے سِیس نِوایا جی

ج

جان قربان اُس پیر اُتوں، نام لیندیاں سِیس نِوا رہیاں
لکھاں بیڑیاں نوں خواجہ لائے بنّے، تتی رَو رَو حال گُما رہیاں
گُجھی پیڑ نے مار نپیڑیا سی، نبض سَید حکیم وِکھا رہیاں
کدی وَصل دی دیو دوا آ کے، خواجہ میں بیمار بُلا رہیاں

ح

حسن ویکھو میرے پیر والا، کہیاں صفتاں جناب نے پائیاں نیں
مُکھ سوہنے دا بدر منیر وانگن، چشماں سوہنیاں خوب سوہائیاں نیں
زلفاں ناگ کالے کنڈل مار بیٹھے، گویا فوجاں ایران تھیں آئیاں نیں
لَباں بول شیریں مِٹھے سیدنا او، عرضاں سب منظور کرائیاں نیں

خ

خواہش آہی ملے فیر ماہی، اَساں رَو رَو عمر وِنجائیا او
لوک چین کردے تتی وَین کردی، برچھی وِچ کلیجڑے لائیا او
پورب پچھّم دی خبر نہ مُول جانا، تتی سُتڑی آن جگائیا او
سیدن اوہ دُھواں محرم یار والا، پھُوک مار کے اَگ مچائیا او

د

دُور پوندی دِس سجناں دی، برقعہ پا کے ویس وَٹال آیا
تنبو تان کے وِچ مہار[1] دے جی، سوہنا اپنا آپ وِکھال آیا
خواجہ نور محمدی[2] چا واگاں، گویا پیر پٹھان[3] سیال آیا
دُھماں وِچ جلالپور پا سیدن، جلوہ خاص کوہ طور کمال آیا

ر

راہ محبوب دا مَل بہیے، ہوندے زور باجھوں پِچھا چھوڑیے نہ
جنھوں یار کہیے اوہدا ساتھ دَیئے، پَلّہ پکڑ لَیّیے لج توڑیے نہ
یار مَنگے یارو ہِک رَتی، سیر دے دَیئے خالی ٹوریے نہ
ایہو رسم ہے سیدنا صادقاں دی، بیڑا تار دَیئے ڈونگھے بوڑیے نہ

ر

رِنگ محبوب دا عجب سوہنا، گویا چَن زمین تے آیا ای
جِھلی جھال نہ جاوندی عاشقاں تھیں، لگا نور کوہ طور اُڈایا ای
دِتا عالماں اس نوں ٹنگ سُولی، جدوں سخن منصور سنایا ای
گُجھی رمز ہے سیدنا عشق والی، جس پایا اُس چھُپایا ای

ز

زبر کتھے میں تے زیر ہوئیاں، تیرے عشق میرا سینہ ساڑیا ای
لیا 'الف' دا سبق میں یار کولوں، ہر گل دا چت وِساریا ای
'ب' 'ت' تے 'ث' دی جاچ ناہیں، 'ع' 'ش' تے 'ق' پکاریا ای
لگا نور کوہ طور محبوب سیدن، ذرّہ ذرّہ اوہ کر اُڈاریا ای

س

سِرّ دا بھیت نہ کوئی جانے، نہ کوئی گیا ای لامکان اندر
جس لئی ہے سار دِلدار والی، ناہیں بولیا اس جہان اندر
جنھوں ملیا ہے آپ دیدار والا، گل رہی نہ مُول زبان اندر
مخفی بھیت ہے سیدنا عاشقاں دا، اعظم اسم ہے جیئوں قرآن اندر

ش

شیر کئیں اس میدان اندر، گجاں مار کے زور وِکھا گئے
اسفندیار جیہے پہلوان یارو، ڈَنڈ کڈھ کے گَنڈ لوا گئے
علیؓ فتح پائی اُتے خیبراں دے، قلعے کفر دے بھَن وِنجا گئے
سچا دین رسولؐ دا سیدنا او، کلمے پاک دی مہر لگا گئے

ص

صبر قرار دے وِچ بیٹھی، وفادار ہو کے کدی آوسی آ
گھوڑا ذوق تے شوق دا پِیڑھ کے او، طرفے ساڈڑی واگ بھنواوسی آ
دن رات وِچھوڑے دے نال گزرے، محرم یار ہو کے چھاتی لاوسی آ
چل سیدنا او راہاں مَل بَہیے، کدی فیر سوہنا جھاتی پاوسی آ

ض

ضرب لگے جنھوں عشق والی، ہوندا عقل شعور تھیں دُور یارو
عشق پھٹیا اُس جوان تائیں، جَیں تے آئی کتاب زبور یارو
جَیں دا خاص بیٹا سلیمانؑ نبی، پیا وِچ درگاہ منظور یارو
سیدنؔ کون ڈَکے اونہاں عاشقاں نوں، موسیٰ اَپڑیا ٹُرت کوہ طور یارو

ط

طور ویکھو اونہاں عاشقاں دے جنہاں نال ماہی اَکھیں لائیاں نی
گھر بار تے سب وِسار کے او، خواجے پِیر دیاں خدمتاں چائیاں نی
جنہاں پِیتڑا جام وصال والا، اونہاں خشکیاں دُور ہٹائیاں نی
بُکل وِچ طنبورڑہ رکھ سیدنؔ، تاراں پریم دیاں آن ہلائیاں نی

ظ

ظلم کردے دُوتی نال میرے، اَگے کَیں دے جا فریاد کرساں
میرا شاہاں دا ای شہنشاہ دُولا، اونہاں سوہنیا دا دامن جا پھڑساں
توڑے لکھ آکھن کافر لوک مینوں، سِر پِیر دیاں قدماں تے جا دَھرساں
لَک بنھ میدان دے وِچ سیدنؔ، جنگ نفس شیطان دے نال کرساں

ع

عرض میری دستگیر اَگے، جہڑا کُل دی آس پُجاوندا ای
اوہدے فضل دا کجھ حساب ناہیں، ڈُبیاں بیڑیاں نوں بنّے لاوندا ای
اِنہاں عاشقاں پھٹیاں مانڈیاں نوں، پانی وصل دا آن پلاوندا ای
مِیراں شیر خدائے دا ولی کامل، سیدنؔ جیہاں نوں کیوں ترساوندا ای

غ

غم تیرے آ گھیریا سی، فوج ہجر والی مگر آوندی آ
لا کے مورچے پُمنیاں کالیاں دے، کجلے والڑی تیغ چمکاوندی آ
چڑھیا خوب رسالڑا ابرواں دا، کیسے غضب دے تیر چلاوندی آ
اَج لُٹ لئی آ دلّی دِلاّں والی، کاہنوں سیدنؔا شور مچاوندی آ

ف

فانی کیتا تدھ جانی، کہی کانی وچھوڑے دی لا گیوں
ماراں آہیں نعرے ڈاڈھے غضب والے، اچن چیت گھٹا سِر پا گیوں
دن رات فراق دے نال کُوکاں، نہ کوئی دل دی بات فرما گیوں
سیدنؔ سار لَویں میری، جانیاں وے، جاندی وار نہ مُکھ وِکھا گیوں

ق

قدر کیتا تیرا رب شاہا! ڈبیاں بیڑیاں نوں بنّے لایا ای
تیرے جامے نوں چور نے ہتھ پایا، چوتھی گُٹھ دا قطب بنایا ای
نبیؐ گیا سی عرش معراج اُتے، کاندھے چاڑھ جبریل پہنچایا ای
اَساں سید محمدا پیر اَگے، ہتھ بنھ کے سِیس نوایا ای

ک

کار ہوندی ایہو عاشقاں دی، سِر دے کے سِرّ نوں چا پھڑیے
بھاویں چڑھیے سولی منصور والی، اناالحق دے قول تھیں نہ ڈریے
چڑہی فوج درانیاں ظالماں دی، توپاں ڈاہ میدان دے وِچ لڑیے
کریے جنگ نسنگ نہ موڑیے اَنگ، خنجر نیناں دے سیدنا کھا مریے

ل

لُٹ لئیاں متوالڑے نی، گیا نیناں دی مار کے سانگ مائے
وَگدا غماں دا ہاڑ دریا ڈونگھا، چاہڑی درد فراق نے کانگ مائے
رُہڑدی جاندڑی تے غوطے کھاندڑی میں، بیڑی کون لاوے میری ٹانگ مائے
چل سیدنا اُٹھ، مسیت جایئے، مِلی عشق نماز دی بانگ مائے

م

مار کے یار وِسار گیا، دَسو دِن کھڑا جدوں ہَسساں میں
دُوتی لگے ویہڑا، طعنے دین ما پے، بھیت یار والا کینوں دَسساں میں
پَیرِیں پئی زنجیر ہے غماں والی، دَسو جا کھڑی جدھر نسساں میں
سیدن داد میری بغداد اندر، جا کے اُس دربارے دَسساں میں

ن

نانگ پریم دا ڈنگ گیا، کھڑا ماندری سَد بہاوساں میں
بِس عشق والی دَھا گئی لُوں لُوں ، کتھے ڈولیاں سِنگیاں لاوساں میں
گیا تیر فراق دا چِیر سینہ، مُکھ یار والا دارُوں کھاوساں میں
جدوں پریت لائی ناہی خبر آہی، چولا ہجر تیرے دا پاوساں میں
ناہی سوچیا میں ہِک وار تدوں، پَنڈ ہجر فراق دی چاوساں میں
دئیں سیدنے نوں دِیدار یارا، نہیں تاں رَو رَو کے مَر جاوساں میں

و

ویکھ تماشڑا عشق والا، کَیہ کُجھ عاشقاں نال برتایا سُو
پکڑ شیخ منصور نوں دِتا سُولی، فِر چخے دے وِچ جلایا سُو
سسّی سڑ موئیا پنوں ہوت پچھے، پورن جیہاں نوں کھُوہ پوایا سُو
رانجھا سید محمدا ہو جوگی، پچھے ہیر دے چاک سدایا سُو

ھ

ہسناں کھیڈناں بھُل گئی آں، میرے کھلڑے نی کالے کیس مائے
بوہے بوہے میں جھاتیاں پا رہیاں، ٹُکر منگدے جِیوں درویش مائے
لکھیا ازل دے روز دا کون موڑے، جہڑا آیا اساڈڑے پیش مائے
ہُن سیدنا ڈھونڈدی یار تائیں، محرم چھوڑ کے گیا پردیس مائے

لا

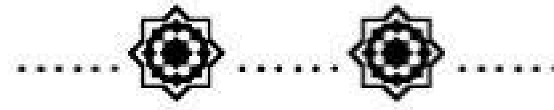
لاج رکھیں میری آپ سائیاں، تیریاں ڈاڈھیاں بے پروائیاں نی
جہڑیاں وِچ دریاواں کرن موجاں، پلے وِچ بازار منگائیاں نی
ہِک ٹھلے تارو غوطے کھان ڈونگھے، اُڈیاں پینکھیاں نوں پھائیاں پائیاں نی
ہِک وِیر کھڑا دلگیر ہوئیاں، ہِک روندیاں سیدنا مائیاں نی

الف

اَج گئے بھج سُر ساج میرے، جدوں سجناں نے مینوں تجیا اے
چڑھی ہاٹھ وچھوڑے دی سخت ظالم، سِر آن غریب دے گجیا اے
ٹُھل پیا چنہاں دے وِچ عاشق، سوہنی وانگ میرا گھڑا بھجیا اے
چھیتی پہنچ جلال دیا مالکا او، سیدنؔ سارے جہان نوں تجیا اے

ي

یمن، یورپ، کنعان اندر، ڈَنڈاں چین ماچین دلدار سائیں
روم، شام تے مصر دیاں گلیاں او، تتی بھال رہیا وفادار سائیں
ہند، سندھ، پنجاب، کشمیر اندر، آوے نظر ناہیں سوہنا یار سائیں
سیدنؔ عرب تے عجم دے وِچ سوہنا، اُس دی کون دَسے میِنوں سار سائیں



☆ یہ سی حرفی قلمی نسخہ ''اشتیاقِ حیدری (کنجِ سید محمد چشتی)، صفحہ 14 تا 25 سے لی گئی ہے۔

☆ حاشیہ اَز مرتب:

''دوبارہ از قلم محمد شفیع ولد میاں محمد عظیم، ڈھوک محمود۔ المرقوم 5 جولائی 1931ء۔

1۔ ''چھوٹا سہ مہار شریف''۔ خواجہ نور محمد مہاروی کی جائے پیدائش چشتیاں بہاولنگر۔

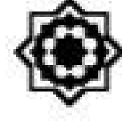
2۔ خواجہ نور محمد مہاروی، خواجہ سلیمان تونسویؒ کے مرشد۔

3۔ خواجہ سلیمان تونسوی جنھیں ''پیر پٹھان'' کے نام سے بھی شہرت حاصل ہے۔



﴿سی حرفی سوم﴾

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم



الف

اللہ دے اِسم نوں جگ جانے، کُن کہیا تے زِمیں اَسمان ہوئے
جاں نبیؐ رسول کریم تائیں، وِچ دوہیں جہانیں سلطان ہوئے
جنہاں نبیؐ دے اِسم دا جام پیتا، اوہ بھی اُمتاں وِچ نشان ہوئے
جنہاں موڑیا مُکھ نبیؐ وَلوں، اوہ تے سیدنا خاص شیطان ہوئے

ب

بہوں وڈیائیا رب سچے، جَیں دا نور ظہور مشہور ہویا
سبھناں انبیاں دا سرتاج نبیؐ، جَیں دے واسطے بیت المعمور ہویا
ترے سَے سَٹھ مُرسل ہور نبی سارے، سَروَر جیہا نہ کوئی مشہور ہویا
لگی پریت نوں تروڑ نہ مُول سیدنؔ، جہڑا خاص جناب منظور ہویا

ت

توبہ جو کرے کوئی نال دِل دے، اُس دے بخشدا رب گناہ سارے
نہ اوہ بخشے گا موذیاں کافراں نوں، ہوسن دوزخاں وِچ فناہ سارے
جنہاں مَنیاں دِین رسولؐ والا، ہوسن نال ایمان دے شاہ سارے
سیدنؔ ویکھ جھنڈا احمدؐ یار والا، کرسن اُس دے وَل نگاہ سارے

ث

ثابتی نال تحقیق جانی، اللہ بے پروا کہاوندا اے
بجن باپ دے کرے فرزند پیدا، روزی پتھراں وِچ پُچاوندا اے
ہِکناں سَد کوہ طور تے کرے گلاں، ہِکناں نیل دے وِچ رہڑاوندا اے
ہِکناچخے اندر رکھے سیدؔنا او، رَتّی اونہاں نوں داغ نہ لاوندا اے

ج

جدوں ایوبؑ نوں پئے کیڑے، اَگے رب دے شکر گزار ہویا
یوسف کھُوہ کنعان دے سٹیو نے، باپ سوہنیاں دا زار و زار رویا
چالھی سال فراق دے وِچ گزرے، نہ اوہ اس فراق دے نال مویا
لگی سچ دی سانگ ہے سیدؔنے نوں، نبیؐ پاک اَگے عرضی دار ہویا

ح

حرص ہوا جہان والی، ناہیں جاوندی کسے دے نال مائے
توڑے سَے برساں ہووے جِیُون جگ تے، ملک الموت پاسی اوڑک پھال مائے
تینوں سُتیاں کِسے جگاوناں نہیں، گزرن کئیں چھ ماہیاں سال مائے
اَج کل دی کھیڈ نہیں سیدنا او، ایہو اس جہان دی چال مائے

خ

خواہش سرکار نوں جدن ہوئی، کُن آکھنے نال جہان کیتا
کیتا اپنے نور تھیں آپ نبی، وِچ دوہیں جہانیں سلطان کیتا
منّو مومنوں دین رسولؐ والا، جھنڈا جس دا لال نشان کیتا
سیدن اُس دربار دا منگتا میں، جس لئی رب زِمیں اَسمان کیتا

د

دَس کے شان گمان والا، ڈنڈ کڈھ کے کنڈ لَوا گئے
ابابکرؓ تے عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، شیر ہوئی کے شیر سَدا گئے
نبیؐ چُور کیتا کفر کافراں دا، ڈنکا دِین دا خوب وَجا گئے
طیّب کلمہ رکھ لے یاد سیدن، ایہو خاص رسولؐ فرما گئے

ذ

ذات خدائے دی پاک لوگو، ہور جھوٹھڑے کل پسارڑے نی
روشن دِین رسولؐ مقبول والا، ہور راہ ایہ کل ڈِنگارڑے نی
چار یار کبار برحق جانو، جہڑے نبیؐ دے خاص پیارڑے نی
اعظمؒ، شافعیؒ تے مالکؒ دا نام مِٹھا، احمدؒ(1) جیہے جوان بنکارڑے نی

ر

رب رحیم غفور سائیں، بادشاہ اللہ بے پرواہ میاں
فرعون خدا کہایا سی، دِتا ندی دے وِچ رُڑھا میاں
داؤد جالوت مردار کیتا، دِتا پَل دے وِچ مَروا میاں
سُن سیدنا نبی داؤد اُس دا، کیتا تن تھیں سِر جُدا میاں

ز

زاریاں کرے یعقوب یارو، میلیں یار او دلبرا واسطہ ای
تتی آن ڈُبی گھنبر گھیر ڈونگھے، کدی تار او دلبرا واسطہ ای
میرا توہیں ملاح رحمٰن سچا، چاڑھیں پار او دلبرا واسطہ ای
سیدن ہجر نے مار بیتاب کیتا، لئیں سار او دلبرا واسطہ ای

س

سنگ ڈُھا مِٹھا سجناں دا، ہور غیر خیال خیال مائے
شہریار دا باغ بہار مینوں، جئیوں رانجھڑے جھنگ سیال مائے
گردن یار تھیں کدی نہ پھیرساں میں، ہوساں وانگ اسماعیل حلال مائے
موسیٰ لیا دیدار جئیوں سیدنا او، میں بھی چھوڑساں نہ خیال مائے

ش

شوہ دریا دے وِچ پئیاں، مینوں دُور دِسے کندھی پار والی
گھنبر گھیر پوندے مارُو عشق والے، دَسو کشتی مینوں محرم یار والی
چار یار کبار ملاح میرے، اَساں لائی چَپّی استغفار والی
چڑھساں پور رسولؐ مقبول والے، سیدن رکھی ایہ طلب دیدار والی

ص

صبر دے وِچ ایوب رہیا، کیڑے پائے سَن تن رحمٰن میاں
یحییٰ ماریا وِچ میدان دے جی، گنب گیا سی زِمیں اَسمان میاں
فرعون ڈُبا نیل رود اندر، خبراں آئیاں نیں وِچ قرآن میاں
سیدن وَخت پَیندے شاہزادیاں نوں، تختوں ڈِگیا سی سلیمان میاں

ض

ضرور ناہیں اُس ڈاڈھڑے نوں، جو چاہوندا سوئی بناوندا ای
بادشاہتوں پکڑ کے قید کردا، پتّن والڑے تخت بہاوندا ای
جھڑیاں وِچ دریاواں دے کرن موجاں، پلے وِچ بازار منگاوندا ای
سیدنؔ اوہ ہے لاشریک صاحب، آکھا اُس دا کون بھواوندا ای

ط

طلب مینوں وفادار والی، مینوں آیا آواز سرکار والا
شاہرگ تھیں جان نزدیک تیرے، ربّا جلوہ محبوب دِلدار والا
جلوہ پیراں دے پِیر دا دَس مینوں، نالے دَس مکھڑا محرم یار ولا
جَیں دا نام رسولؐ مقبول سیدنؔ، جھنڈا دَس توں اُس دربار والا

ظ

ظاہرا بھیت نہیں یار والا، مخفی ہے تے اس جہان اُتے
لگا نور کوہ طور تھیں اُڈ گیا، جَیں دا رہیا نہ نام نشان اُتے
پورب، پچھّم، اتّر تے دکھن تائیں، جانیں رب نہ صرف اَسمان اُتے
شاہرگ تھیں جان نزدیک سیدنؔ، مولا دِسدا ہے لامکان اُتے

ع

عشق دا ہاڑ دریا ڈونگھا، جتھے لکھ عاشق غوطے کھاوندے نی
اونہاں پار اُرار دی سار ناہیں، نہ کوئی کشتی ملاح بلاوندے نی
اوہ تاں ٹھِل پئے بحرِ عمیق اندر، مکھڑا یار دا تُلا بناوندے نی
کردے حرص ہوا نوں دُور سیدنؔ، شوق نبی رسولؐ دا چاہوندے نی

غ

غرق کیتا رب کافراں نوں، جدوں زِمیں تے آیا طوفان آہا
وِچ مٹاں دے امن امان رہنا، اونہاں کافراں وَڈا گمان آہا
رہیا عوج(2) نہ مویا سی اَت ویلے، مُلّاں آکھدے وَڈا جوان آہا
سید محمداؔ او کشتی نوح دی وِچ، جوڑا جوڑا حیوان انسان آہا

ف

فارسی، عربی سب جاناں، علم فقہ دا دِین ایمان بیلی
اوّل مَن خدا تے رسول سارے، چار یار کبّار نوں جان بیلی
مَن حَسنؓ، حُسینؓ تے فاطمہؓ نوں، نام کہیاں نہ ہووے نقصان بیلی
غوث پاک نوں سیدناؔ خاص جاناں، جھنڈا جس دا وِچ میدان بیلی

ق

قول تیرے پکے صاحبا او، تیرا نام رحمٰن سبحان اللہ
مخفی بھید نہ رکھیوئی سجناں تھیں، خبراں پئیاں نی وِچ قرآن اللہ
ہویا سر بہ سجدہ نہ مُول جہڑا، اُس دا رکھیوئی نام شیطان، اللہ
کیویں جان محبوب نوں سیدنا او، جیویں جاندے زِمیں اسمان اللہ

ک

کہیا فرشتیاں موسیٰ تائیں، کھیڑا چھوڑ دے توں دیدار والا
پیدا ہوئی کے مادر دے شکم وِچوں، جلوہ چاہیں توں اُس سرکار والا
جدوں عاشق نوں مِلے معشوق اُس دا، سبھا دُکھ جاوے اُس بیمار والا
سیدنؔ لکھ نصیحتاں دے تھکے، اوڑک کھولیا گھُنڈ دیدار والا

ل

لد کے بھار برداریاں او، سبھناں خاک اندر کیتے وَنج ڈیرے
موسیٰ جان ہارون طالوت یارو، سو بھی گئے جہان تے پا پھیرے
اوتھے کون ہوسی وفادار تیرا، ہنجوں نین روسن زار و زار تیرے
کلمے پاک دا وِرد کما سیدنؔ، جہڑا جاوے مسافری نال تیرے

م

موج ہوندی اونہاں عاشقاں نوں، کلمے پاک دے باغ دے وِچ جاندے
میوہ پکدا اِسم رسولؐ والا، تروڑ تروڑ مومن لذت نال کھاندے
پستہ مغز بادام تے سادگی تھیں، شکر شِیر کولوں لذت بہوں پاندے
اُس دا شان کمال بلند سیدنؔ، وار و وار ٹھوکر سینے وِچ کھاندے

ن

نظر آیا سچا راہ مینوں، کلمے پاک نوں پیر بناویے جی
مِلیا تاج اوہ اولیاں انبیاں توں، ہر دم اُس دا وِرد کماویے جی
جانو پیشوا پیر بغداد والا، جَیں دا خاص مرید کہاویے جی
جے کر لاویے تاں پچھاں ہٹیے نہ، ساری عمر پریت نبھاویے جی
حیدر پیر دا درس درکار مینوں، صبح شام جلالپور جاویے جی
اَگے اُس دے سِیس نوا سیدنؔ، سِر دے کے سِرّ نوں پاویے جی

و

واسطہ اپنی ذات دا ای، نالے واسطہ پیراں دے پیر اَگے
نالے واسطہ نبی رسولؐ دا ای، نالے واسطہ ای دستگیر اَگے
نالے واسطہ حَسنؓ حُسینؓ دا ای، نالے واسطہ شیخ کبیر اَگے
چار یار کبار نوں جان سیدنؔ، نالے واسطہ ای سوہنے پیر اَگے

ہ

ہار گئے کئیں بازیاں نوں، جھڑے وِچ عمارِیاں جھُولدے سن
لرزہ کھا زمین تے اوہ ڈِگے، جھڑے وانگ سَرو سدھے طُول دے سن
کئیں باغ بہار گلزار ہوئے، کئیں وانگ گلاب دے پھُول دے سن
اِتھے سیدنا اوہ بھی خاک ہوئے، جھڑے یار رسولؐ مقبول دے سن

لا

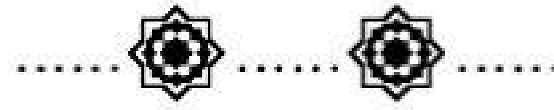
لاج میری کلمے پاک تائیں، اوہ تاں ہے میرا جانی یار سیّو
سِر آئیاں بلائیاں نوں ٹال دیندا، ایہو پِیر میرا وفادار سیّو
ترٹے مان تران جہان والے، جدوں عشق دی بجی ہے تار سیّو
دِتا ایہ خزانہ ہے یار مینوں، سیدن وِرد میرا استغفار سیّو

الف

اَگ فراق دی یار باجھوں، تن من میرا سیّو ساڑ گئی
سسّی نال فراق دے کرے باتاں، پنُوں باجھ بھنبھور اجاڑ گئی
قتل حَسنؓ حُسینؓ یزید کیتے، وِچ دوہاں جہان فریاد گئی
سیدن کون موڑے بدلہ یار والا، میری داد فریاد بغداد گئی

ي

یار تیرا وفادار ناہیں، کدی اپنا آپ سنبھالیے او
کھوٹے دِرم نوں بنھ نہ مُول پلے، کوئی سَد صراف دِکھالیے او
اگے پُل اوکھا پُل صراط دا ای، کاہنوں بھار بھارا مگر چالیے او
کلمے پاک دا وِرد کما سیدنؔ، پیارا اُس نوں یار بنا لیے او



☆ یہ سی حرفی قلمی نسخہ ''اشتیاقِ حیدری (گنجِ سید محمد چشتی)، صفحہ 26 تا 38 سے لی گئی ہے۔

☆ حاشیہ اَز مرتب:

''ازقلم محمد شفیع نائب مدرس مڈل سکول بھیٹ۔ المرقوم 7 جولائی 1931ء۔ ماہ صفر بروز سہ شنبہ، ضلع جہلم۔

1۔ امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ۔

2۔ ''عوج بن عنق'' دنیا کا لمبا ترین انسان تھا۔ قصہ مشہور ہے کہ یہ کافر ہی تھا لیکن طوفان نوح میں بچ گیا۔ بعد میں طوفان نوح میں عوج بن عنق کے علاوہ کوئی بھی غرق ہونے سے نجات پانے والا نہ ہوا۔ پانی اس کی کمر تک تھا اس کی نجات کا سبب یہ بنا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کے لیے ساگوان کی لکڑی کی ضرورت تھی مگر اس کو اٹھا کر لانا ممکن نہ تھا۔ عوج وہ لکڑی شام سے اٹھا کر لایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے عمل کو قبول کیا اور اسے غرق ہونے سے نجات دی۔



﴿سی حرفی چہارم﴾

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم



الف

اللہ دی ذات بلند یارو، جَیں دا اَنت حساب نہ آیا ای
مخفی رہیا نہ بھیت محبوب والا، تُرت زِمیں اسمان بنایا ای
نبی پاک رسول مقبول یارو، رَفرف تے قدم ٹِکایا ای
ہِک لکھ تے چوّی ہزار گزرے، کون اس مکان تے آیا ای

ب

باغ بہار گلزار یارو، خاطر نبیؐ دے دوہیں جہان کیتے
ابا بکرؓ تے عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، چار یار کبار سلطان کیتے
ابا بکرؓ صدیق رفیق نبیؐ، پہلے مرتبے اوہ لاشان کیتے
خاطر نبیؐ دے ویکھ لے سیدنا او، چن ٹکڑے دو رحمٰن کیتے

ت

تک کے معجزہ نبیؐ والا، آندا عمر خطابؓ ایمان یارو
بھَن چُور کیتے کفر کافراں دے، پیا شور سی وِچ جہان یارو
بھَنے ''عزیٰ تے لات منات''[1] سبھے، ملک پڑھن سبحان سبحان یارو
ابوجہل رہیا وِچ جہل دے جی، سنگی آہا جیّں دا شیطان یارو

ث

ثابتی صدق یقین سیتی، کیتا جمع فرقان عثمانؓ میاں
''الحمد'' تھیں لے ''وَالنّاس'' توڑیں، کیتا ذرہ نہ کجھ نقصان میاں
رکھن تریہہ تے پنج گزاردے نی، منن نبیؐ دا سب فرمان میاں
سید محمدا کلمہ رسولؐ والا، پڑھیاں ہووسی آ محکم ایمان میاں

ج

جائی کے وِچ میدان دے جی، علیؓ شیر خدائے دا گجدا ای
ذوالفقار ہتھیار تیار کر کے، مار مار کے مُول نہ رَجدا ای
گڑھ روم جیہے قلعے تے کوٹ توڑے، ڈَنکا دِین والا پیا وَجدا ای
کیتا دُور یہود مردود سیدنؔ، جہڑا نبیؐ ولوں پیا بھجدا ای

ح

حال دیکھو اونہاں عاشقاں دے، جنہاں توڑ نبھائیاں یاریاں نی
خواص خان(2) جیہے سِر کٹا گئے، رَن وِچ پئیاں پیٹ کٹاریاں نی
قلعے کوٹ روہتاس دے ہل گئے، جنہاں پکیاں نیہاں اُساریاں نی
سید محمدا او صدی تیرھویں تے، پئیاں وِچ جہان دے خواریاں نی

خ

خاطری تہنڈڑی جگ سارا، لوح قلم تے زِمیں اسمان کیتے
ہِک لکھ تے چوّی ہزار گزرے، رب اونہاں دے ایڈڑے شان کیتے
دے کے تاج لولاک پیغمبری دا، وِچ دوہیں جہانیں سلطان کیتے
جنہاں منیاں رب رسولؐ سیدنؔ، رَتّی اونہاں دے نہیں نقصان کیتے

د

دَسیوئی بھیت پیاریاں نوں، کھڑیوئی یار نوں لامکان اللہ
رَفرف تے قدم ٹکایو نے، کیتا نبیؐ دا ایڈڑا شان اللہ
چھُپ گئے تورات زبور جیہے، ظاہر کیتوئی جدوں قرآن اللہ
سیدنؔ شکر گزاردا شکر سائیاں، مینوں کیتوئی خاص مسلمان اللہ

ذ

ذکر تیرا دِن رات مینوں، تیریاں قدرتاں بے شمار اللہ
سنے لشکر فرعون نوں ڈوبیوئی، موسیٰ گیا سی لنگھ کے پار اللہ
ناہیں خطرہ اس غلام تائیں، جِنّیں دا آپ ہوویں نگہبان اللہ
سیدنؔ پُل اوکھا پُل صراط دا ای، مگر چکیا میں بھارا بھار اللہ

ر

رات شب قدر دے قدر والی، نبیؐ شب معراج بُلایا ای
ہویا شاہ سوار اسوار دُولا، جبریل براق لے آیا ای
سَتے منزلاں گئے نی لنگھ اَگے، رفرف تے قدم ٹکایا ای
پُہتے لامکان مکان سیدنؔ، اصلی وَنج دیدار نوں پایا ای

ز

زاریاں وانگ یعقوب کرساں، تیرے جیہا نہ دوسرا ہور اللہ
ہِک لکھ تے چوّی ہزار گزرے، دِتوئی نبیؐ نوں ایڈڑا زور اللہ
سنے لشکر فرعون نوں ڈوبیوئی، پیا وِچ جہان دے شور اللہ
سوہنے پیر دا دے دیدار سائیاں، نہیں تاں جیُون تھیں بھلی ہے گور اللہ

س

سال پنجاہ فرعون ظالم، کیتا اُس نے ظلم کمال اللہ
جدوں موسیٰ پیغمبری بھالیوئی، اونہوں دِتیوئی پاک جمال اللہ
نبیؐ شب معراج بُلا لیوئی، دَسیوئی اونہوں حال احوال اللہ
جان کندن ویلے ہووے کلمہ طیب، سیدنؔ رکھدا ایہ سوال اللہ

ش

شیر تیرے پاندے آن گھیرے، دُوتی دشمناں نوں کردے دُور اللہ
استغفار دی تیغ نوں تیز کر کے، کردے نفس شیطان نوں چُور اللہ
کراں صفت ثنا میں سوہنیاں دی، کرِیں سخن میرے منظور اللہ
بار بار غریب دی عرض سائیاں، نہ توں پیر کولوں کرِیں دُور اللہ

ص

صبر دی جاگھ ہے قبر میری، جتھے لیٹنا جا ضرور اللہ
میرا خاک دا خاص وچھاوناں اے، رہسن لیف تلائیاں دُور اللہ
جس جُثے تے مان تران کرنا، ہو جاونا اُس دُھوڑ دُھوڑ اللہ
لد گئے نی سیدناؔ او کتھے، جھڑے بہندڑے جا کوہ طور اللہ

ض

ضرب کھا کے ملک الموت والی، جیہے پیر فقیر امیر اللہ
اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ جیہے، تیری کسے نہ موڑی تقدیر اللہ
امام حَسنؓ، حُسینؓ، بی بی فاطمہؓ جی، کہیا نام سوہنا دستگیر اللہ
چھپ گئے نی سیدنا اوہ سوہنے، یوسف جیہے کئیں بدر منیر اللہ

ط

طور ویکھو اونہاں عاشقاں دے، رکھن تہنڈڑا شان گمان اللہ
ابراہیمؑ تے نار گلزار کیتی، عیسیٰؑ سَدیوئی طرف اَسمان اللہ
کیتا سجدہ ہِک نہ مُول جس نے، اوہدا رکھیوئی نام شیطان، اللہ
طیب کلمے دی برکتی سیدنا او، تینوں کرے نصیب ایمان اللہ

ظ

ظلم ہوئے اُپر ظالماں دے، جہڑے نبیؐ تھیں ہوئے بے فرمان، اللہ
جہڑے رب رسولؐ نہ جاندے نی، اونہاں دوزخاں وِچ مکان، اللہ
جہڑے علم توحید دا جاندے نی، کامل اونہاں دا رہے ایمان، اللہ
اسے ذوق تے شوق دے وِچ مارِیں، تیرے نام نوں جان قربان، اللہ

ع

عرش اُتے نبیؐ پاک تائیں رَفرف تے عجب مکان، اللہ
سَتے منزلاں گئے نی لنگھ اَگے، جِیں دا نام سلطان سلطان، اللہ
جبریل براق نوں لے جلدی، اوہ بھی اُڈیا طرف اَسمان، اللہ
پُہتے لامکان مکان سیدن، پُہتے ملک نہ جن انسان، اللہ

غ

غازی میں ہووساں شوق اندر، مرساں وِچ میدان دے جا بیلی
پھڑ تیغ تلوار ہتھ سوہنیاں دے، کرساں دُوتیاں دے سینے گھاہ بیلی
مَن لیا میں دِین محمدیؐ نوں، دِتا کفر دے کوٹ نوں ڈھاہ بیلی
چار یار کبار نوں جان سیدن، میںنوں حَسنؓ حُسینؓ دی چاہ بیلی

ف

فضل جناب تھیں منگدا میں، نہ کوئی مان تران تے زور، اللہ
توہیں بخش میںنوں بخشنہار سائیاں، آیا تیرے دربار تے چور، اللہ
کوئی میرے جیہا گنہگار ناہیں، پیا وِچ جہان دے شور، اللہ
کوئی تُساں جیڈا سخی ہور ناہیں، بخش دیو جی عیب کروڑ، اللہ

ق

قتل کیتوئی نیناں نال مینوں، پھر حال نہ پچھیوئی جانیاں او
زار و زار چلے خون اکھیاں تھیں، بیٹھی جگر کلیجڑا کھانیاں او
تیرے درد فراق بیمار کیتا، ہکلی کونج وانگوں کرلانیاں او
سیدن کوک میری بغداد اپڑی، کدی پہنچنا شاہ جیلانیاں او

ك

کرے نہ گٹ دوا داروں، چُبھے دِلے وِچ غماں دے خار سیدن
کیتا عشق نے ساڑ دھرنج مینوں، پئی ہجر دی ڈاڈھڑی مار سیدن
بھلی ہوش میں تڑی سسڑی نوں، رہی کُکھ نہ جگ دی سار سیدن
مینوں ہوت دے باجھ کھلوت ناہیں، ہوئی تھل وِچکار مزار سیدن

ل

لوڑ نہ دولتاں دنیا دی، بہتا سوہنیاں دا دیدار مینوں
جلوے جگت والے سبھے جان فانی، جلوہ ازلی اِک درکار مینوں
پھاتا وِچ منجدھار دے میں مرشد، پھڑو ہتھ تے لاؤ چا پار مینوں
منزل سیدنا دور نہ رہی میری، ہکو دید دی راہ دشوار مینوں

م

موت نکھیڑدی دنیا توں، اے پر موت نہ نام نوں مار سکدی
بھاویں لِکھے تے صدیاں دارہوے اوہلا، آخر لکھت ہی نام نوں تار سکدی
لکھی گل دے وِچ ہووے اثر تاں فیر، لکھی گل سڑے دِلاں نوں ٹھار سکدی
بعد صدی دے سیدؔ نے فیر جیوناں، موت لکھیا نہیں کر بے کار سکدی

ن

نام نشان مِٹ جاوندے نیں، اے پر رب میں تے انعام کرسی
میری آل وِچوں کوئی مرد صالح، میرے شعر محفوظ تمام کرسی
اللہ اُس نوں رحمتوں بہوں دیسی، نالے فقر دے اُس تائیں دان کرسی
تعلق دار کوئی اُس دی آل دا فیر، میری ذات تائیں احسان کرسی
دَھن واد نے اُس جوان تائیں، گمنام دا جگ وِچ نام کرسی
سیدؔ اُس تائیں دِلوں دعا کردا، اُس دے نام نوں جگت سلام کرسی

و

وِرد ایہ نفی اثبات والا، میری روح، میرے دِل اَتے ساس دا اے
جہڑا نفس دے لونبڑے قید رکھدا، سنو! زور اوہ پاس انفاس دا اے
شرع وَکھ نہیں فقر تھیں اِک رَتّی، ایہ مسئلہ دِین اَساس دا اے
تُسیں نہیں سمجھے! چلو کوئی گل نہیں، رولا صرف ایہ سیدؔ نے داس دا اے

ھ

ہجر تیرے دی ماری میں، پئی سجے کھبے نسدی آں
گھر کھیڑیاں دے آ قید ہوئی، جیو مار کے میں پئی وَسدی آں
ہویا حال بے حال میں کیہ دَسّاں، کدے رووندی آں، کدے ہسدی آں
ہُن پیڑ کلیجڑے دی سیدنؔ، بیٹھی کندھاں نوں پئی دَسدی آں

الف

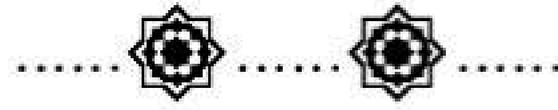
اللہ دے ہتھ وِچ کھیڈ ساری، آکھے کُن تے کرے جہان سارے
اوہا مالک ازل تھیں ہر شے دا، اوہدی مِلک نے زِمیں اَسمان سارے
عاشق اُس دی ذات دے سب سچے، کیتے قول ہمیش نبھان سارے
کراں دَم دَم پاس اَنفاس سیدنؔ، رکھاں رب وَل میں اوسان سارے

لا

لا الہ الا اللہ، صوفیاں سالکاں لئی سوغات سیدنؔ
گجھی رَمز ہے عاشقاں لئی اِس وِچ، اِس دا نام ہے نفی اثبات سیدنؔ
لگے ضرب جو اِس دی قلب اُتے، دھووے سب صدمے صدمات سیدنؔ
پینگھ نفی اثبات دی جھُج کے تے، عاشق ویکھدے کئی درجات سیدنؔ

ي

یاد نہ بھُلدی مرشد دی، میرا مرشد ڈُبیاں تاردا اے
اُس جیہا نہ ہور کوئی جگ اُتے، غوث الوقت اوہ سب سینسار دا اے
خواجہِ پیر نوں علم حقیقتاں دا، واقف کار اوہ سِرّ اَسرار دا اے
سیدنؔ اُس دے نام تے جان وارے، جس دی دِید علاج بیمار دا اے



☆ یہ سی حرفی قلمی نسخہ ''اشتیاقِ حیدری (کنجِ سید محمد چشتی)، صفحہ 39 تا 47 سے لی گئی ہے۔

☆ میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی کے مرتب کردہ کلام میں ''سی حرفی چہارم'' نامکمل ہے۔ حرف ''ک'' سے لے کر ''ي'' والے آخری بند تک کا کلام ''اشتیاقِ حیدری'' کی اجتماعی جلد سے لیا گیا۔ جنھیں ''حافظ عبدالغنی'' نے نقل کیا تھا۔ تفصیل مقدمہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

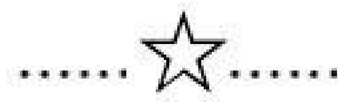
☆ حاشیہ اَز مرتب:

''از قلم محمد شفیع نائب مدرس مڈل سکول بھیٹ۔ المرقوم 7 جولائی 1931ء۔ ماہ صفر بروز سہ شنبہ، ضلع جہلم''۔

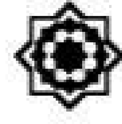
1۔ قبل از اسلام قدیم عرب مذہب میں تین سردار دیویاں تھیں اور ان کی پوجا بطور اللہ کی بیٹیوں کے کی جاتی تھی۔ انھی تینوں ''عزیٰ، لات اور منات'' کے بت بنائے گے تھے۔ اگر چہ ان تینوں بتوں کے الگ الگ استھان تھے۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ عزیٰ، لات اور منات ناموں کے بت خانہ کعبہ میں بھی رکھے گئے تھے۔

2۔ خواص خان، شیر شاہ سُوری کا جرنیل تھا۔ قلعہ روہتاس کی تعمیر اسی کی نگرانی میں

ہوئی۔ مقامی روایت کے مطابق وہ ایک برگزیدہ اور بہت سخی دل انسان تھا۔ایک بار اسے سکھوں سے لڑنا پڑا۔سکھ فوج نے اُسے گرفتار کرلیا۔ بزرگ نے سکھ جرنیل سے کہا''مانگو جو مانگتے ہو، وہ تمھیں ضرور ملے گا۔میں کسی کو انکار نہیں کرتا۔'' سکھ جرنیل بڑا کائیاں تھا، بولا''مجھے تمھارا سر چاہیے۔'' یہ سن کر بزرگ نے تلوار سے اپنا سر قلم کیا اور سکھ کو تھما دیا۔بعدازاں بزرگ کا بے سر لاشہ اچانک فضا میں بلند ہوا اور اُڑتے ہوئے نظروں سے گم ہوگیا۔مقامی لوگوں کا دعویٰ ہے قلعہ روہتاس کے خواص خانی دروازے کے اندر جو قبر ہے اس میں اسی سخی کا سر دفن ہے۔ جب کہ تاریخی شواہد مذکوہ واقعے کے برعکس ہیں۔ جولائی 1545ء میں خواص خان کو اس کے بھائی جلال خان نے کشمیر کی ریاست سانمبل کے حکمران تاج خان کے ساتھ مل کر قتل کروادیا تھا۔خواص خان کو امانتاً خواص پور میں دفنایا گیا۔بعدازاں اس کا لاشہ شیر شاہ سوری کے مزار کے مقبرے (سسرام، بہار) میں دفن کردیا گیا۔وہ ایک رحم دل اور غریب پرور انسان تھا۔اس لیے اس کے عقیدت مندوں نے لاش نکالے جانے کے بعد بھی اس کی قبر برقرار رکھی اور قلعہ روہتاس میں بھی اس کا مزار تعمیر کردیا گیا، جو لوگوں کی خواص خان سے محبت کا ثبوت ہے۔[روزنامہ نوائے وقت، مورخہ:16 فروری، 2013ء]۔



متفرق ابیات



الف

اک توہیں میرا دل جانی، ہر تھاں پیا مکھڑا دَسدا ایں
کدے پھُلاں وِچ کدے کنڈیاں وچ، کدے وِچ پتھراں دے وَسدا ایں
کدے سُراں دے وِچ پیا گاوندا ایں، کدے گھنگھرواں وِچ پیا نچدا ایں
ہر شے وِچ دِسدا ایں سیدؔ نے نوں، ہر مکھڑے وِچ توں ہسدا ایں

ب

بہت بازار ہزار ڈِٹھے، عشق آ لتھا خریدار ہو کے
ماس کھا جاسی لہو پی جاسی، جان لے جاسی وفادار ہو کے
عشق کئیاں نوں تراٹیاں پٹ گیا، جنہاں کول بیٹھا محرم یار ہو کے
سید محمدؔا او جنہاں عشق پالے، سویو چل گئے نی سردار ہو کے

ت

تکیا میں تکیہ عاجزاں دا، ڈیرا آن جلال پورے لایا ای
عاشق مست الست بد مست ہویا، جلوہ پیر سیال وِکھایا ای
کارن ہیر دلگیر ظہیر ہویا، رانجھا ہو جوگی ٹِلّے آیا ای
سوہنی ٹھِل پئی وِچ چناب سیدنؔ، مہینوال والا درشن پایا ای

ث

ثابتی نال تحقیق جانو، سوہنا آن بیٹھا تنبو لا بیلی
وِچ دوہاں جہاناں دے ڈھونڈ رہیاں، نہ کوئی پیر جیہا وفادار بیلی
مینوں دُوتیاں دشمناں تنگ کیتا، کدی لویں غریب دی سار بیلی
دَم دَم پکاردی سیدناؔ او، نِت گِناں سُوار اِتوار بیلی

خ

خوف کیہا اونہاں عاشقاں نوں، جنہاں ربّ دے راہ تے جان واری
جس نوں رکھدا ربّ رحمٰن سچا، بھاویں لکھ اَڈی شیطان ماری
جَنیں دا پیر کامل دستگیر ہووے، اُس بازی کدی نہ کوئی ہاری
سیدنؔ ڈُبی ساں وِچ گرداب ڈونگھے، حیدر شاہ بانہوں پھڑ پار چاہڑی

خ

خوف کیہا اونہاں عاشقاں نوں، جنہاں رب دے نام توں جان واری
جنہاں موت دے جام قبول کیتے، دل دوستاں دے نال رہی یاری
رب لکھ گناہاں دے بخش دیندا، دے کے دُکھ تے سُکھاں دی کرے کاری
سید محمدا او ربّ دے ہو رہیے، پوے شرم تے اُسے نوں لاج ساری

د

دُور نہ بھیت اَسرار والے، ''طٰہٰ مزمّل، حا میم'' میاں
عین، شین تے قاف نے گھیریا سی، ح، دال تے ملیا میم میاں
الف الف پکاردی الف بیٹھی، ہر دَم کراں اُس دی تعظیم میاں
ہمزے وانگ ہوئی کُبی سیدنا او، ڈاڈھا سخت محبوب دا بیم میاں

د

دوڑیوں ربّ نہ لبھدا ای، کدھرے بیٹھ کے یار دھیان کریے
اُس دے سِرّ دا کوئی نہ بھیت جانے، توڑے چھوڑ زِمیں اَسمان چڑھیے
اوہ تے لامکان کہاوندا ای، اوہدے روپ دا کیہ گمان کریے
جَیں لوڑیا، بولیا نہیں سیدنؔ، خنجر وانگ زبان میان کریے

د

دیر نہیں کجھ سرکار اَگے، جو چاہوندا سوئی بناوندا ای
بجن باپ تھیں کرے فرزند پیدا، مویاں ہوئیاں نوں فر جواوندا ای
ہِک کرن گدا تے بہن دُھوہیں، ہِکناں نِت پولا پچُاوندا ای
سید محمدا او اوتھے چُپ رہیے، وارو وار پیا سمجھاوندا ای

ر

راہ محبوب دے پچُھدی میں، کہڑے دیس اندر تنبو لا بیٹھا
کیتا جان کے کوئی قصور ناہیں، کہڑی گل اُتوں چِت چا بیٹھا
گوہڑیاں نیناں دی فوج تیار کر کے، چھاتی ڈاہ کے مورچے لا بیٹھا
دوئی دُور کر کے ملیں سیدنا او، گھُنڈ کڈھ کے سامنے آ بیٹھا

ز

زار تے بہت لاچار ہوئیاں غم خوار کہڑا سوہنے یار باجھوں
لگے دُکھ ہزار بیمار پئیاں، کاری کون کرے تُدھ یار باجھوں
اَگے لکھ ہزار سوالیاں دے، کون سُنے فریاد سرکار باجھوں
سیدن روندیاں روندیاں عمر گزری، نہیں آسرا تُدھ کرتار باجھوں

ز

زہر پیالڑا عشق والا، جس ساڑیا اُس کوہ طور تائیں
اناالحق دا وِرد پکاندیاں نوں، سُولی چاڑھیا شاہ منصور تائیں
وحی لے براق شتاب پُہتا، نبیؐ واریا بیت المعمور تائیں
کلمے پاک دا وِرد کما سیدن، جھڑا کھڑے گا توڑ حضور تائیں

س

سانگ لگی سینے سجناں دی، گئی ہوش ساری میں بے ہوش پئیاں
ڈولی پا دِتا مینوں ما پیاں نے، کول روندیاں نی زارو زار سیّاں
مینوں جھنگ سیالاں تھیں دُور کیتا، رنگپور کھیڑیاں دے میں جا پئیاں
کدی رانجھنا دے دیدار مینوں، سیدن باجھ وِصال حیران رہیاں

ش

شیر تے مست جوان دُولے پچھے رَنّاں دے ہوئے فقیر یارو
فرہاد معیار تے جھلاّ مجنوں، وِچ غماں دے ہوئے دلگیر یارو
قتل حَسنؓ حُسینؓ یزید کیتے، مارے اُس بد ذات بے پیر یارو
سید محمدا او اوہو جاندا ای، جس نوں لگن وِچھوڑے دے تیر یارو

ص

صبر دا عجب بازار سوہنا، دل چاہوندا چل خرید کریے
خودی نفس ہوا نوں دُور کر کے، چل اپنے پِیر دا دِید کریے
خوشی عیش جہان دی چَھڈ کے تے، پِیر مکّہ تے مَن مرید کریے
سیدنؔ خاص ٹولا ہے چشتیاں دا، نال دوستاں دے رَل عید کریے

ض

صورتاں وِچ معشوق میرا، جلوہ یار والا نظری آوندا ای
کدی باغ بہار گلزار ہووے، کدی بھور ہو کے پھیری پاوندا ای
کدی بنے ملنگ تے سواہ لاوے، کدی مولوی ہو سداوندا ای
کدی شیخ منصور ہو چڑھے سُولی، بھیت سیدنؔا کوئی نہ پاوندا ای

ط

طور ویکھو اَسمان دی جی، رنگ رنگ دے رنگ بناوندا ای
یاراں دوستاں مِٹھیاں پیاریاں نوں، جام ہجر دا آن پلاوندا ای
جھڑیاں رنگ محل وِچ کرن موجاں، گھٹّا سِراں وِچ اونہاں دے پاوندا ای
سیدنؔ عذرر کیہ اَساں مسافراں نوں، بادشاہاں تھیں بھیک منگاوندا ای

ظ

ظاہراں آکھ سناوساں میں، جو کجھ عقل میرے اندر آیا ای
الف، لام تے میم تھیں شروع کر کے، وَالنّاس تے جا مکایا ای
تیری ذات دا کِسے نہیں انت پایا، اسم اعظم نوں وِچ چھپایا ای
کلمہ نبیؐ دا آکھ توں سیدنا او، بھیت یار والا سبھے پایا ای

ظ(1)

ظلم کیتا اونہاں ظالماں نے، کینوں رَو رَو حال سناوساں میں
میرا باجھ اللہ نہیں ہور سنگی، اَگے جس دے سِیس نواوساں میں
مینوں پیا اَندھیر غبار دِسدا، دَسو طرف کہڑی چِت لاوساں میں
سیدن ہجر نے مار بیتاب کیتا، کتھوں مرہم وِصال منگاوساں میں

ظ

ظلم کیتا اونہاں ظالماں نے، سسّی سڑی نوں گئے چھوڑ مائے
لگے تیر فراق دے وِچ سینے، ہوتاں جاندیاں نوں پچھاں موڑ مائے
اُتوں قہر دوپہر دی دُھپ پوندی، ہٹھوں ساڑ دے تھلاں دے روڑ مائے
میاں سیدنا پچھا نہ مُول دیساں، لگی دوستی چاہڑساں توڑ مائے

ع

عجب جہان میں آ پھَسیا، دَسو راہ مینوں برا حال میرا
دُھندکار غبار ہے ہر پاسے، ہویا اس مقام اِک سال میرا
پہلا عشق اللہ، دُوجا عشق نبی، تیجا عشق مرِشد دے نال میرا
راہ لان والا مینوں راہ لاوے، کرے سیدؔنا دُور وَبال میرا

غ

غیر کولوں نفع نہیں ہوندا، توڑے چشماں وِچ بہاویے جی
ذات رَنّاں دی بے وفا ہوندی، توڑے عرش مجید پُچاویے جی
کھاون کھنڈ تے ریت بناوندیاں نی، کاہنوں کتیاں کھیر لکاویے جی
توڑے جل جاوے جگرا سوہنیاں دا، سیدنؔ سچ دے سخن سناویے جی

م

موت منصور حلاّج والی، ہر ہر دا نہیں نصیب یارو
فوج موج تے موت توں نہیں ڈردا، جہڑا رکھدا عشق حبیب یارو
اونہوں لوڑ نہ کسے حکیم والی، جہڑا عشق نوں کرے طبیب یارو
سیدنؔ عشق دا دان نصیب ہووے، بھاویں جگ پیا بنے رقیب یارو

و

ویکھساں میں مُکھ پیر والا، اَگے سوہنے دے سِیس نواوساں میں
خودی نفس ہوا تے کینیاں نوں، گلی پیر دے وِچ رُلاوساں میں
میرا پیر ہے سدا گلاب سوہنا، اُس بھور وانگوں پھیری پاوساں میں
جہڑا کرے گا پیر دی گل سیدنؔ، وانگ سجناں دے سینے لاوساں میں

و

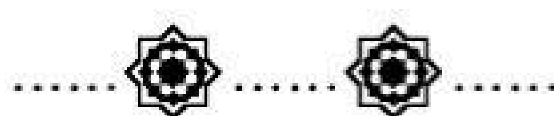
ویکھ سخی کدی حال میرا، دُکھاں گھیریا آن نمانیاں نوں
جھلی وا وچھوڑے دی سجناں او، جیویں بھوہ نکھیڑ دا دانیاں نوں
رہندے نِت غریب اُداس شوہدے، فقر ڈھونڈدے نہیں ٹکانیاں نوں
سید محمدؔا او رکھن یاد مولا، نہیں لوڑدے چوکیاں تھانیاں نوں

ھ

ہور حکایتاں سمجھ بیلی، ہِک روز سوالی آیا اے
نام ربّ دے، دے فرزند شاھا، اُس آن سوال ایہ پایا اے
کر دے مشکلاں میریاں حل شاھا، آیا خالی نہ تساں بھنوایا اے
سید محمدؔا او ویکھ علیؓ سوہنے، امام حسنؓ دا پَلّہ پکڑایا اے

ی

یار تھیں وَکھ نہ کدے ہوواں، مینوں جگ دی لوڑ نہ مُول سیدنؔ
ہِک نال میں لاوساں جی جانوں، مینوں مُول نہ دُوئی قبول سیدنؔ
جتھے دِل دَیّے اوتھوں پرتیے نہ، مُکھ موڑنا گل فضول سیدنؔ
میں مُکدی گل مُکا چھوڑی، کَیہ دیونا گل کی طُول سیدنؔ



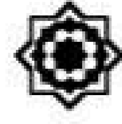
☆ یہ ابیات قلمی نسخہ ''ارمغانِ چشتی (گنجِ سید محمد چشتی)''، صفحہ 47 تا 57 سے لیے گئے ہیں۔ ''الف'' اور ''ع'' والے بند ''اشتیاقِ حیدری'' کی اجتماعی جلد سے لیے گئے جنھیں ''حافظ عبدالغنی'' نے نقل کیا تھا۔

☆ حاشیہ اَز مرتب:

''مجموعہ اشعار موسوم بہ تحفہ سید محمد مرحوم ساکن بھیٹ بعون اللہ تعالیٰ عزّ و جل باتمام رسید۔ از قلم محمد شفیع اختر ڈھانگروی ضلع جہلم، بنیرہ حضرت میاں سید محمد شاعر پنجابی حیدری چشتی۔ 05-11-1934''۔

1۔ اس شعر کے ساتھ یہ حاشیہ درج ہے:
''یہ شعر والدہ غلام قادر سلوئی والے کی زبانی سن کر محفوظ کیا گیا''۔





فرہنگ



فرہنگ

اَپڑیا: پہنچا۔
اُتّر: شمال۔
اَٹھے پہر: آٹھوں پہر، کنایتہً ہر وقت۔
اچن چیت: اچانک، فوراً، یکدم، عالم بے خبری میں۔
اَڈّی: ایڑھی۔ یہاں دخل اندازی یا شرارت کے معنوں میں استعمال ہوا۔
اُڈیک: آس، امید، انتظار۔
اُسار/اُسارنا: تعمیر کرنا، بلند کرنا۔
اساس: بنیاد۔
اسوار: سواری کرنا یا سوار ہونا۔
اِکس تھیں: ایک سے۔ اکس بمعنی ایک سے
اکسیر: وہ مرکب جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس سے تانبے سونے اور رانگے کو چاندی بنایا جاسکتا ہے، رساین، کیمیا۔
اَکّی آں میں: اُکتا گئی ہوں میں۔
الفتاں: الفتیں، محبتیں۔
اوگناں: اوگن کی جمع۔ گناہ، جرم، قصور۔
اوگنہار: گنہگار، پاپی، مجرم۔

اوہلا: پردہ، پوشیدگی۔

ایانے: نادان، احمق، مورکھ۔

بالکے: بمعنی مرید۔

بانکی: خوبصورت، البیلی، وضع دار۔

بانگ: اذان۔

بجن: بغیر۔

بحرعمیق: گہرا سمندر

بخشنہار: بخشنے والا، خطائیں معاف کرنے والا۔

بخیلیاں: بخیلی کی جمع۔کنجوسی، تنگ دِلی۔

بدرمنیر: روشن کرنے والا، تاریکیوں میں نور پھیلانے والا چاند۔

بِندیاں: ماتھے کی بندیا۔ماتھے کا ٹیکا۔

بنکارڑے: بنکا سے بنکارڑے باندھا گیا۔یعنی دُلہا، نوشہ، خاوند، خوب صورت۔

بنّے لاونا: کنارے لگانا۔

بوڑیے: ڈبوئیے۔بوڑنا سے بوڑیے۔

بیت المعمور: ساتویں آسمان پر خانہ کعبہ کی طرز پر ایک گھر ہے جس کے گرد ہر وقت ہزاروں فرشتے طواف کرتے رہتے ہیں۔ بیت المعمور آسمان پر بالکل خانہ کعبہ کی سیدھ میں واقع ہے۔کہا جاتا ہے کہ جو فرشتہ ''بیت المعمور'' میں ایک مرتبہ طواف کر لیتا ہے اس کی قیامت تک پھر باری نہیں آئے گی۔

بیلی: دوست، یار، محبوب۔

بیلے/بیلیاں: چراگاہ، دریائی جنگل۔

بیم: خوف، اندیشہ، ڈر۔

بھال: تلاش، جستجو، تجسس، ٹوہ۔

بھتّا: کسان کا دوپہر کا کھانا، بھات، اُبلے ہوئے چاول۔

بھگوے: جوگیوں والے۔ جوگیوں کے لباس یا پہناوے کی کوئی بھی چیز۔

بھنبھور: سندھ کا ایک قدیم شہر۔ سسّی اسی شہر کی تھی۔ اسی مناسبت سے استعمال ہوا

بھواوسی (واگ بھنواوسی): واپس پلٹے گا۔ سواری کی لگام واپسی کے لیے کھینچے گا۔

بھور: بھونرا۔

بھیت: بھید۔ راز۔ مقامی لہجے میں بھید کو بھیت بولا جاتا ہے۔

بھیکھ: بھیس، روپ۔

پَت: عزت، ننگ وناموس۔

پچھّم: مغرب۔ وہ سمت جدھر سورج ڈوبتا ہے۔

پشت پناہ: حمایتی، حامی، مددگار، معاون۔

پکاوندا/ پکاونا/ پکاوساں: وِرد کرنا، ہر پل یاد کرنا۔

پلیتیوں پاک: ناپاکی سے پاک ہونا۔ پلید کو پنجابی میں پلیت بولا جاتا ہے۔

پُھمنیاں: پھُمنیاں۔ پھمنی کی جمع۔ ریشم یا دھاگے کا پھول۔

پندھ: راستہ، فاصلہ، مسافت، سفر۔

پنن والڑے: منگتے، گداگر، بھیک مانگنے والے۔

پور: کشتی میں ایک بار جتنی سواریاں سوار ہوں، مجموعہ، اکٹھ۔

پورب: مشرق۔ وہ سمت جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے۔

پورن: پورن بھگت، مشہور پنجابی لوک داستان کا ہیرو۔

پوہتے لامکان مکان سیدن: پوہتے کا مطلب پہنچے۔ لامکان کے بعد کا مکان یعنی

مقام استعمال کیا گیا۔

پیڑھ کے: تیار کر کے۔ گھوڑا اسواری کے لیے تیار کرنا۔

پیشوا: راہبر، راہنما۔

پینکھی: پرندے۔

پھاتا / پھاتی: پھنسایا جکڑا گیا۔ پھنس جانا، شکنجے یا جال میں جکڑے جانا۔

پھَٹ: زخم۔

پھٹیا: زخمی کیا۔ (عاشقاں پھٹیاں مانڈیاں نوں۔ یعنی زخمی کمزور)

پھڑساں: پکڑوں گی یا پکڑوں گا۔

پھکیاں میں: میں نے پھا کیں۔ پھا کنا

تَتی / تتڑی: ابھاگی، بدنصیب۔

تراٹیاں: ٹیس، درد کی لہر۔

تُرت: فوراً، جلدی سے۔

ترساونی آں: ترس رہی ہوں، تڑپ رہی ہوں۔

تساڈڑا: تساڈا سے تساڈڑا۔ بمعنی آپ کا۔

تقصیر: قصور۔

تماشڑا: تماشا۔

تنبو: خیمہ۔

ٹانگ: کنارا۔

ٹکانیاں / ٹکانے: رہائش گاہ، آرام گاہ، گھر، مقام۔

ٹھِلے / ٹھِل پئے: اتر گئے۔ پانی میں اتر جانا۔

ٹھیل: دھکا لگانا، سرکانا، ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا۔

جا گھ:　جگہ، مقام۔

جالیا:　برداشت کیا۔

جان کندن ویلے:　جاں کنی کے وقت۔ وقتِ نزع

جھات:　جلوہ۔

جھال:　جلوہ، چمک، روشنی، خوبصورتی۔

جُھج (پینگھ نفی اثبات دی جھج کے تے):　جھولنا، جھونٹا لینا۔

جَھک:　ہچکچاہٹ۔ (نہ جھک میاں) یعنی مت ہچکچاؤ۔

جھلاّ:　دیوانہ، پاگل

جھوٹے:　جھونٹے، جھولنا۔

جھوٹھڑے:　جھوٹے، دروغ گو۔

جھول:　جھولی، دامن۔

چار یار کبار:　(لفظاً) چار دوست، چار احباب، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار اصحاب جو حضور کے بعد علی الترتیب خلیفہ ہوئے یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ، خلفائے راشدین۔

چاک:　نوکر، مجازاً عاشق یا رانجھا۔

چالے:　چال چلن، عادت، طرز، خو۔

چَپّی:　چھوٹا چپّو۔ کشتی چلانے کے لیے پانی دھکیلنے والا اوزار۔

چِت:　جی، خیال، توجہ، دھیان۔

چِخے / چِخہ:　بھٹی، جلانے یا تپانے کی جگہ۔

چَم:　چمڑی، کھال۔

حال گُما رہیاں:　حالت خراب کرلی، برباد ہوگئی۔

حلال: بمعنی ذبح۔

خُمر: شراب۔

داکھاں: ا۔داکھ کی جمع۔انگور،انگور کی ایک قسم۔ ۲۔شان وشوکت

درم: چاندی کا سکّہ۔

دَکھن: جنوب۔

دِلّی دِلاں والی: دِل کی دنیا۔(اج لُٹ لئی آ دِلّی دِلاں والی۔یعنی آج تم نے دل کی آباد دنیا لوٹ لی۔

دلگیر: مغموم،اداس،رنجیدہ۔

دَم دَم یار پکایا: ہر سانس میں محبوب کو بسایا۔ہر پل محبوب کا ذکر کیا۔

دوتی ⁄ دوتے ⁄ دوتیاں: دشمن،شر پسند،رقیب،منافق۔

دُولا: بہادر،دلیر،عاقل،دانا،دُلہا،محبوب۔

دوئی: وحدت یا یکتائی کی ضد،شرک کرنا،غیریت۔

دھایا ⁄ دھا گیا: دھنس گیا،اُتر گیا۔یا پھیل گیا۔

دھب: میل کچیل،کوڑا کرکٹ۔دھبہ۔

دھرساں: رکھوں گا یا رکھوں گی۔دھرنا سے دھرساں۔

دھرنج: ہڈیوں کا ڈھانچہ۔دھرنج پنجابی کے مختلف لہجوں میں کھائی کو بھی کہا جاتا ہے۔جب کہ ہڈیوں کے ڈھانچے کے لیے ''دھرنگ یا دھرنگا'' کے الفاظ مستعمل ہیں۔

دھندوکار: اندھیارا،تاریکی،ظلمت،آفرینش جہاں سے قبل کا وہ دور جب چاند سورج وغیرہ کی روشنی نہ تھی۔

دھوہیں: چھپر،جھونپڑی۔

ڈَکّی آں: قید ہوگئی ہوں۔

ڈِگّا: گرا۔ آڈِگا یعنی آگرا۔

ڈَنڈ: ا۔ڈنڈ بیٹھک، پہلوانوں کی ایک ورزش ۲۔شوروغل، چیخ وپکار۔

ڈَنڈاں: ڈنڈ کی جمع۔شوروغل،خبریں۔

رَتّی: ذرہ بھر۔ ایک وزن جو ماشے کا آٹھواں حصہ ہوتا ہے، آٹھ چاول کے برابروزن، نیز وہ چیز جس سے یہ وزن تولا جائے۔

رَفرف: وہ مخصوص تخت نما سواری جس پر حضورؐ شب معراج سدرۃ المنتہیٰ پر براق سے اتر کر سوار ہوئے اور کرسی یا عرش تک تشریف لے گئے۔ (اس کا رنگ سبز تھا)۔

رویل: چمبیلی ۔ایک بیل جس پر پھول لگتے ہیں۔

رُہڑدا/رُہڑ: بہنا۔ پانی میں بہنا۔ رہڑدا یا رہڑ جانا۔

ساج: ساز۔

سار: خبر۔

ساس: سانس۔

سالک: صوفی،سلوک کی منازل طے کرنے والے۔

سانگ: نیزہ، بھالا،نوک۔

سِپ (سمندری سِپ): سیپ۔ایک دریائی یا سمندری کیڑے کا گھر۔

سِرّ: راز، پوشیدہ بات، چھپے ہوئے بھید۔

سریر: بدن،جسم۔

سُتڑی: سوئی ہوئی۔

سسڑی: سسی۔

سُکھ لُٹیاں: جن کا سُکھ چین لُٹ گیا ہو، برباد، رنجیدہ۔

سُکھاں وسدی: خوش حال، خوش وخرم۔

سَگ: کُتا۔ کنایتہً بہت حقیر کے لیے استعمال ہوا۔

سِنگیاں: سینگ کی جمع، جو علاج کے لیے جسم پر لگاتے ہیں۔

سنگھڑ: ایک علاقے کا نام۔ تونسہ شریف۔

سنیہوڑے: پیغام، خیر خبر۔

سُوار: سوموار۔

سواہ: راکھ، خاک۔

سَونہہ: قسم، سوگند۔

سوہائیاں: دیدہ زیب، خوب صورت، دل کش۔

سَے: سو۔ ننانوے کے بعد اور ایک سو ایک سے پہلے کا گنتی کا ہندسہ۔

سِیڑدا/سِیڑنا: سلائی کرنا۔

سیس: سَر۔ (سیس نوایا: سر جھکایا، عزت و تکریم کرنا)

سینسار: سنسار، دنیا۔

شتاب: جلدی، فوراً۔

شوہ دریا: گہرا دریا۔

شوہدیاں: شوہدا کی جمع۔ غریب، بے آسرا، بے چارے۔

ضرور: واجب، لازم، ضروری۔ ضرورتِ شعری کے تحت ضروری یا لازم کو ضرور باندھا گیا۔

طرفے: طرف

طنبورڑا/طنبورا: ایک ساز۔

طوق: ہتھکڑی، بیڑی۔

ظہیر: ا۔جھکی ہوئی کمر والا، جس کی پشت درد کرے، کمزور، غم زدہ، ناتواں۔
۲۔مددگار، حامی، پشت پناہ۔

عاصی: گناہ گار، خطا کار، مجرم، پاپی۔

عمارِیاں: عماری کی جمع۔ ہودہ، ہودج۔ عماری جو ہاتھی کی پیٹھ پر بیٹھے کے واسطے رکھتے ہیں۔

غوغا: شوروغل۔

کاتی: کاٹنے کا اوزار، لمبے بانس کے ساتھ لگی ہوئی درانتی۔

کار: طریقہ۔حل۔

کاری: ا۔سخت، شدید ۲۔حل نکالنا۔مدد کرنا۔

کانگ: ا۔سیلاب، بڑی اونچی لہر، جوار بھاٹا۔ ۲۔کوا۔

کانی/کانیاں: تیر۔کمان میں ڈال کر وار کرنے والا ہتھیار۔

کُبّی: ٹیڑھی، خم زدہ، جھکی ہوئی۔جس کا کُب نکلا ہوا ہو۔

کَٹ: اثر۔

کُٹھی: ذبح کی۔قتل کی۔

کَج: حیا، شرم، پردہ، اوڑھنی۔

کرتار: مالک، جس کے پاس اختیار ہو۔خدا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔سکھوں کے ہاں نام بھی رکھا جاتا ہے۔

کُن (کُن فیکون): ہو جا پس وہ ہو گیا۔خدا تعالیٰ کو جب عالم کو پیدا کرنا منظور ہوا تو لفظ ''کُن'' ارشاد فرمایا۔

کوٹ: قلعہ، حصار، شہر۔

کُوکاں: کُوک کی جمع۔ چیخیں، صدائیں۔

کیس: سر کے بال، زلفیں۔

کھلوت: ٹھہراؤ، رکاوٹ، آرام، سکون۔

کھیڈ: کھیل۔ یہاں اختیار کے معنوں میں استعمال ہوا۔

گجھی: گہری، پیچیدہ۔

گُند یا سیس سہیلیاں نے: سہیلیوں نے بال سنوارے۔

گورخانے: قبر، قبرستان۔

گُٹھ: کونہ۔

گھاہ: گھاؤ، زخم۔

گھٹا: دھول۔

گھُنڈ: نقاب، چہرہ چھپانا۔

لامکان: وہ مکان جس میں مکانیت کی تخصیص نہ ہو، عالم قدس جس کی کوئی سمت اور جگہ متعین نہیں۔

لاشان: بے مثال، ایسی شان وشوکت جو کسی کو نہ ملی ہو یا جو کسی کے گمان سے بھی بالاتر ہو۔

لج: لاج، عزت، شرم وحیا۔

لکھت: تحریر، لکھی ہوئی کوئی بات۔ لکھت تقدیر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

لوڑ: ضرورت، کمی۔

لولاک: حدیث قدسی لولاك لما خلقت الافلاك کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اگر تیری (رسول ﷺ کی) ذات نہ ہوتی تو میں (اللہ) آسمانوں (کائنات) کو پیدا نہ کرتا۔

لیف تلائیاں: لیف: رضائی۔ تلائیاں: تلائی کی جمع، بستر پر نیچے بچھائی جاتی ہیں۔

مان تران: عزت، ناموس، وقار۔

ماندری: منتر جاننے ولا، سانپ کے ڈسے کا علاج کرنے والا، مندل بجانے والا، عام طور پر سپیروں کو کہا جاتا ہے۔

ماہی: ا۔محبوب ۲۔مچھلی۔

مَتیں رمَت: نصیحتیں، سبق۔

متوالڑے: متوالے سے متوالڑے۔ متوالا کی جمع نیز مغیرہ حالت، تراکیب میں مستعمل، مست، مدہوش، نشے میں چور، مخمور، سرشار

مخفی: پوشیدہ۔

مسیت: مسجد۔

مگر: پیچھے۔

مُل: قیمت، قدر۔

مَل بیٹھے: قابض ہو بیٹھے۔ جگہ پکڑ کے بیٹھ جانا۔

ملک: فرشتہ

مِلک: ملکیت۔

موذی رموذیاں: نقصان دہ، خطرناک، شریر، بدذات۔

مُہار: رُخ، لگام

مِہر: کرم، رحم، محبت۔

مُہر: خاموشی، چُپ۔

مہنڈی: بالوں کی چُٹیا۔

ناد: آواز، صدا، گونج، سینگ کی پونگی سے نکلنے والی آواز، سنکھ کی آواز۔

نار: ا۔آگ، ۲۔عورت۔

ناکھاں: ناکھ کی جمع۔ناشپاتی،ایک پھل۔

نانگ: ناگ،سانپ۔

نسنگ: بےلاگ،بلا روک ٹوک،بلاشبہ،فوراً،بے شک۔

نفی اثبات: ذکر کی ایک قسم۔لا اله الا الله کو نفی اور محمد رسول الله کو اثبات کہا جاتا ہے۔

نکھیڑ دی: جدا کرتی۔نکھیڑنا یعنی جدا کرنا،الگ کرنا۔

نہال: ا۔خوش،مسرور۔

نِیل رُود: دریائے نیل۔

وارواڑکوکے: جنگل بیلے گھوم گھوم کے صدائیں دینا۔

وار/واڑے: جانوروں کے باڑے،زمین کا مخصوص احاطہ۔

واگ: لگام،مُہار،نکیل۔

وٹال آیا: تبدیل کر کے آیا۔بدل کے آیا۔

وخت: مصیبت،مشکل۔

وِسار: بھولنا۔

وِکھال آیا: دکھا آیا۔

ونگاریا: ا۔دعوت دینا،بلانا،پکارنا۔ ۲۔دوسروں کے کام میں بغیر اجرت مشقت کرنا،بیگار لینا۔

ولیس وٹایا: بھیس یا حُلیہ بدلا۔

وَین: بَین،نوحہ،ماتم،آہ وزاری۔

ہاڑھ: گھنگھور گھٹا۔

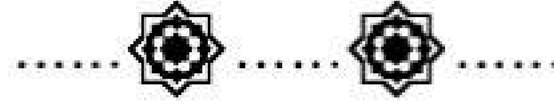
ہکلی کونج: غول سے بچھڑی ہوئی کونج، چیخ وپکار کرتی کونج۔

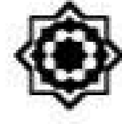
ہمیش: ہمیشہ۔

ہَوت: پُنوں، بلوچ قوم کا فرد، سسی کا عاشق، مجازاً عاشق، یار۔

یورپ: یورپ (europe) دنیا کے سات روایتی براعظموں میں سے ایک ہے

یوسف ثانی: شعرا ''بہت خوب صورت یا حسین'' کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔





کتابیات



کتابیات

☆ **بنیادی مآخذ:**

1۔ میاں سید محمد چشتی، اشتیاقِ حیدری، سیٹھ آدم جی عبداللہ اینڈ کمپنی پبلشرز بمبئی والے، نولکھا بازار، لاہور، 1940ء

2۔ اشتیاقِ حیدری (اجتماعی جلد)۔ اس میں مختلف شعرا کے کتابچے شامل ہیں۔

3۔ اختر ڈھانگروی، میاں محمد شفیع (مرتب)، ''گنج سید محمد چشتی'' مشمولہ ارمغانِ چشتی (قلمی)، 1934ء، مملوکہ میاں عبدالرشید، بھیٹ (ڈھانگری مرزا)، ضلع جہلم۔

4۔ شجرہ نسب (مرتبہ: میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی)

☆ **ثانوی مآخذ:**

1۔ القرآن۔

2۔ اختر ڈھانگروی، میاں محمد شفیع، سازِ شکستہ (قلمی)، 1960ء

3۔ اختر ڈھانگروی، میاں محمد شفیع، روزنامچہ گنجینہ اسرار (قلمی)، جلد اوّل، 1937ء

4۔ اختر ڈھانگروی، میاں محمد شفیع، تکمیلِ شوق (قلمی)، 1986ء

5۔ اختر ڈھانگروی، میاں محمد شفیع، تکمیلِ شوق (قلمی)، 1986ء

6۔ اختر ڈھانگروی، میاں محمد شفیع، مجموعہ سی حرفی ہائے پنجابی (قلمی)، 1972ء

7۔ انعام الحق جاوید، پنجابی زبان و ادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، 1997ء

8۔ بدخشانی، مقبول بیگ، ''سی حرفی دا فکر تے فن'' مشمولہ لعلاں دی پنڈ، مرتبہ اقبال صلاح الدین، لاہور، عزیز بک ڈپو، 1997ء

9۔ حسنین ساحر، سی حرفیاں میاں سید محمد چشتی: تدوین و تحقیق (مقالہ برائے ایم فل پاکستانی زبانیں و ادب)، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، 2015ء،
10۔ حضرت سلطان باہو، ابیاتِ باہو کامل، تحقیق، ترتیب و شرح: سلطان محمد نجیب الرحمٰن، سلطان الفقر پبلی کیشنز، لاہور، 2015ء
11۔ حضرت سلطان باہوؒ، دِل دریا سمندروں ڈونگھے، مرتبین: ڈاکٹر انعام الحق جاوید، امجد علی بھٹی، رومیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، راولپنڈی، 2001ء
12۔ خواجہ عبدالحکیم انصاری، تعمیر ملت، سلسلہ عالیہ توحیدیہ، لاہور، 1994ء
13۔ راجا امجد منہاس، پروفیسر، پوٹھوہار نامہ، ، راولپنڈی، رومیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، 2013ء
14۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات (توضیحی لغت)، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، 2011ء
15۔ سید وارث شاہؒ، ہیر وارث شاہ، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1997ء
16۔ صابری، صاحبزادہ مقصود احمد، تذکرہ اولیائے پوٹھوہار، راولپنڈی، ہاشمی پبلی کیشنز، س ن، ص:612۔628
17۔ صحیح بخاری شریف، مترجم: حضرت مولانا علامہ محمد داؤد راز، مرکزی جمیعت اہلِ حدیث ہند، دہلی، 2004 (الایمان، حدیث:15)
18۔ صحیح مسلم، اردو ترجمہ: علامہ وحید الزماں، جلد ششم، نعمانی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، 2004ء
19۔ میاں محمد بخش، باقیاتِ میاں محمد بخش، میاں محمد بخش ریسرچ انسٹیٹیوٹ، کھڑی شریف، 2011ء
20۔ نوید شہزاد، ڈاکٹر، سلجھانتا، کلیہ شرقیہ، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، 2007ء، ص:51
21۔ ہاشمی، حمید اللہ شاہ، مختصر تاریخ زبان و ادب پنجابی، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، اسلام آباد، 2012ء

☆ **لُغات:**

1۔ ابوالفضل بلیاوی، مولانا، مصباح اللغات، المصباح، لاہور، س ن

2۔ المنجد، ادارہ دارالاشاعت، کراچی، طبع یازدہم، 1994ء

3۔ پنجابی، ارشاد احمد، اُردو پنجابی ڈکشنری، مرکزی اُردو بورڈ، لاہور، 1974ء

4۔ تنویر بخاری، پنجابی اُردو لغت، دوسرا ایڈیشن، اُردو سائنس بورڈ، لاہور، 2000ء

5۔ حسن عمید، فرہنگ عمید، جلد دوم، بائیسواں ایڈیشن، مؤسسۂ انتشارات امیر کبیر، تہران، 1969ء

6۔ حسن اللغات، لاہور، اورینٹل بک سوسائٹی، س ن

7۔ دہلوی، سید احمد، فرہنگ آصفیہ، جلد دوم، مطبع رفاہ عام پریس، لاہور، 1908ء

8۔ سردار محمد خان، پنجابی اردو ڈکشنری، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، 2009ء

9۔ علی رضا سید نقوی، ڈاکٹر، فرہنگِ جامع، نیشنل بُک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 1994ء

10۔ فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات، فیروز سنز، لاہور، 2005ء

11۔ محمد ثقلین بھٹی، الحاج، اظہر اللغات، اظہر پبلشرز، لاہور، س ن

12۔ نُورالحسن نیّر، مولوی، نور اللغات، جلد اوّل، طبع سوم، نیشنل بُک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 2006ء

☆ **انٹرویوز:**

1۔ میاں عبدالرشید ولد میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی، ضلع جہلم۔

2۔ میاں مظہر جمیل ولد میاں عبدالرشید، بھارا کہو، اسلام آباد۔

3۔ توقیر حیدر ولد ممتاز حیدر (پوتا حافظ عبدالغنی)، ضلع جہلم۔





تدوین دراصل تحقیق سے آگے کی منزل ہے۔ یہ مشکل اور صلاحیت آزما کام اُنھی کے بس کی بات ہے جو تحقیق کے اصولوں اور طریق کار سے اچھی طرح واقفیت رکھتے ہیں۔ ''حسنین ساحر'' ایک عمیق بیں اور محنتی محقق ہیں۔ اس مشکل اور صبر آزما کام کو اُنھوں نے بخوبی نبھایا ہے۔ اس طرح کے تحقیقی کام جہاد کی سی حیثیت رکھتے ہیں کیوں کہ یہ وہ کام ہیں جن سے براہِ راست محقق یا مدوّن کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ رشید حسن خاں نے شاید اسی لیے کہا تھا:

> ''تحقیق کو قبولِ عام سے دور کی نسبت ہے۔ یہ توقع کرنا کہ تحقیقی تحریروں کو سب لوگ یا اکثر لوگ پسند کریں گے، تحقیق سے ناواقفیت کا اعلان کرنا ہے اور پست معیاری کو دعوت دینا ہے۔ تحقیق عام پسند چیز نہیں ہو سکتی، اُسی طرح جس طرح وہ آسانی کے ساتھ نہیں ہو سکتی''۔

جب تک گمنامی کی دُھول میں دبی ہوئی تخلیقات منظرِ عام پر نہیں آ جاتیں، اُس وقت تک زبان و ادب کی تاریخ نامکمل کہلائے گی۔ ''حسنین ساحر'' کی اس گراں قدر کاوش کے ذریعے پاکستانی زبانوں کے ادبی منظر نامے پر نہ صرف ''میاں سید محمد چشتی'' جیسے اہم نام کا اضافہ ہوا ہے بلکہ اس کے ذریعے تحقیق کی نئی راہیں بھی کھلیں گی۔ (ادارہ)

Bazm-e-Takhleeq -o- Tehqeeq
Bhara Kahu, Islamabad
بزمِ تخلیق و تحقیق
بھارا کہو، اسلام آباد